محمد خالد اختر
بیس سو گیارہ
ناولٹ

بیس سو گیارہ

ناول

محمد خالد اختر

کتب خانہ

پیپر بیک سیریز

بیس سو گیارہ
(ناول)
محمد خالد اختر

دوسری اشاعت: ۱۹۹۹

کتب خانہ پیپر بیک سیریز
زیرِ اہتمام: آج کی کتابیں

طباعت: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، کراچی

سٹی پریس بک شاپ
316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400
فون: 0623 565 (21-92)
ای میل: aaj@digicom.net.pk

فہرست

انتساب

فہمیدہ ریاض کے نام

کیوں کہ وہ ایک مسرّت خیز شاعرہ اور داستان گو ہونے کے ساتھ ایک دردمند دوست بھی ہے اور آرٹ سے محبت اور پرکھ میں ہم دونوں سنگی ساتھی ہیں۔ اس لیے بھی کہ اس کتاب کے چھپنے کے چودہ پندرہ برس بعد جب وہ ایک نوخیز لڑکی تھی، اس نے کتاب کے ادھیڑ عمر، خوابوں سے ٹوٹے مصنّف کو اپنے ایک شوخ و شنگ خط میں یہ لکھ کر حیران اور خوش کر دیا کہ ۲۰۱۱ اردو زبان میں اس کی چہیتی کتاب ہے اور وہ اسے کئی بار پڑھ چکی ہے۔ اور یہ اُس وقت جب سب لوگ میری اس پہلی کتاب کو بھول بھال چکے تھے جسے میں نے ایامِ جوانی میں کھارادر کراچی کے ایک تنگ و تاریک بالاخانے میں بے محنت اور آسانی سے لکھا تھا (اور میں سوچتا ہوں یہ ایک طرح میرے اندر سے بہتی چلی آئی تھی۔)

سو میں اب یہ کتاب اُسے پسند کرنے والی اپنی اس دوست کو دیتا ہوں، کہ یہ اُس کی کتاب ہے۔ میں حسنِ اتفاق سے محض اس کا کاپی نویس ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پہلے ایڈیشن کا تعارف

عزیز بھائی رشید

یہ میری پہلی کتاب ہے جو حقیقتاً شائع ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ (یا سانحہ) میرے لیے کافی اہمیت کا حامل ہے اور میرا خیال ہے اسے کسی قدر متبرک کہا جا سکتا ہے (اگرچہ ہماری نئی پود متبرک کے لفظ کو شبہ سے دیکھتی ہے اور اس کو اس لفظ میں ایک قسم کی ریاکاری اور مضحکہ خیز متانت کی بو آتی ہے)۔ میں اپنی اس کتاب کو محض اس لیے ہی تمھارے نام معنون نہیں کر رہا کہ تم ایک اچھے دوست اور ایک اچھے (اس لفظ کے ہر معنی میں) ناشر ہو اور میری کتاب کو چھاپ رہے ہو، بلکہ اس لیے بھی کہ ایک ذہین آدمی ہونے کی وجہ سے تم سمجھ سکو گے کہ میرا وار خالی ہوا میں نہیں ہے۔ پھر بھی میں تم کو بین السطور بہت زیادہ معنی ڈھونڈنے کا مشورہ نہ دوں گا۔ میں نے اسے جبری بیکاری کے ایک لمبے عرصے کی ناقابلِ برداشت کوفت کو مٹانے کے لیے لکھا ہے، اور اگر ان صفحات سے تم اس کا آدھا لطف ہی پا سکو جو مجھے ان کے لکھنے میں حاصل ہوا ہے تو میں متعجب بھی ہوں گا اور خوش بھی۔

ہر ایک لکھنے والے بلکہ ہر ایک شخص کی اپنی الگ دنیا ہوتی ہے۔ یہ کتاب میری دنیا میں جھانکنے میں تمھیں مدد دے گی۔ تم شاید اس کو کئی لحاظ سے ایک عجیب بے ہودہ اور بے سروپا دنیا پاؤ گے، مگر ان سب کوتاہیوں کے باوجود (مجھے امید ہے) یہ دنیا محبتِ انسانی سے گرم اور دھڑکتی ہوئی ہے۔ یہ مستقبل کے متعلق ایک فینتاسی (fantasy) ہے۔ مسٹر پوپو، جو یو کنا پوٹاوابا کی ری پبلک کا صدر ہے، ۲۰۱۱ء کے برکت کے سال میں ماضنین کی حکومت کی دعوت پر اس ملک میں جاتا ہے اور یہ کتاب ایک طرح اس کی ماضنین کے سماجی، تمدنی اور معاشی حالات پر ایک رپورٹ ہے۔ مگر یہ رپورٹ عام سرکاری رپورٹوں سے قدرے مختلف ہے کیوں کہ مسٹر پوپو خود عوام کا آدمی ہے یا کم از کم ایسا ہونے کا مدعی ہے، اور تیز مشاہدے کے ساتھ مزاح کی حس سے بھی بیگانہ نہیں۔ میں اس کتاب کو فاشی حکومتوں پر ایک سیاسی طنز کے طور پر مطالعہ کیا جاتا نہیں

دیکھنا چاہتا- یہ محض (میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں) ایک تفریحی فینتاسی ہے جو ایک فارغ گھڑی کو بہلانے یا قتل کرنے کے مقصد سے لکھی گئی ہے۔

تم نے ہی مجھے ایک دفعہ مشورہ دیا تھا کہ میں زبان کی غلطیوں کو ٹھیک کرائے بغیر اپنی کوئی چیز نہ چھپواؤں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمھاری اس قابلِ قدر نصیحت پر عمل نہیں کر رہا کیوں کہ ایک مصنف خود اپنا آپ ہی رہنا چاہتا ہے۔ یہ کتاب یقیناً زبان کی افسوس ناک غلطیوں سے بھری ہوئی ہو گی اور ان لوگوں کے لیے جن میں محاورے اور روزمرہ میں تھوڑا سا تصرّف اختلاجِ قلب کا موجب ہوتا ہے، اس کتاب کا مطالعہ شاید مہلک ہوگا- یہ ان کی کھیر نہیں۔

دراصل بھائی رشید! یہ میری ہٹ دھرمی نہیں۔ میرے نزدیک زبان کا چپٹا اور بے جان ہونا اس کے غلط اور چونکانے دینے والا ہونے سے زیادہ ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ میں نے اس قسم کی زبان استعمال کی ہے کیوں کہ میرے نزدیک یہی زبان میری دنیا کے عجیب ایٹماسفیئر (atmosphere) سے عہدہ بر آہو سکتی ہے۔

اردو سے بہت زیادہ دیر تک ایک پاک دامن کنواری کا سا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ روزمرہ یا محاورے میں ایک لفظ ادِھر سے اُدھر سرکا دینا گویا قیامت ڈھا دینا ہے اور زبان کے اونچے پروہت اس کفر پر تھرّا اٹھتے ہیں۔ مجھے اس انداز، اس زود حسی سے مطلقاً ہمدردی نہیں، کیوں کہ میں اردو کو اتنی چھوئی موئی سی نہیں سمجھتا کہ وہ تھوڑی سی بے تکلفی اور بے ادبی بھی برداشت نہ کر سکے۔

میں نے سب نیک نصیحتوں کے خلاف اس فینتاسی میں بلادھڑک انگریزی الفاظ اور انگریزی مطالب استعمال کیے ہیں۔ اس کے لیے مس قرۃ العین حیدر نے پہلے ہی آیندہ مصنفوں کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے اور ان کے "میرے بھی صنم خانے" کے بعد کسی مبتدی لکھنے والے کو انگریزی الفاظ جا بے جا استعمال کرنے سے نہ جھجکنا چاہیے۔ ("میرے بھی صنم خانے" کے ایک صفحے پر میں نے گیارہ انگریزی الفاظ گنے ہیں۔) اس رسم کے پہلے پائنیر خود سر سید اور شبلی تھے۔

میں اس بات میں یقین نہیں کر سکتا کہ زبان کبھی خراب ہو سکتی ہے۔ ولیم فاکنر اور دوسرے کئی امریکن مصنف) خوفناک انگریزی لکھتے ہیں جو گرامر کے لحاظ سے لاتعداد غلطیوں سے پُر ہوتی ہے اور جو آکسفورڈ کے کئی عالم لغت دانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچانے کی اہل کہی جا

سکتی ہے۔ فاکنر کے فقرے اتنے الجھے ہوئے اور پیچیدہ اور مبہم ہوتے ہیں کہ بعض وقت ان میں فاعل، فعل اور مفعول کو ڈھونڈنا ایک معما ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے مطالب اور اس کی عجیب مسخ شدہ دنیا کے اظہار کرنے میں اور ایک خاص فاکنر ایٹما سفیئر پیدا کرنے میں اس الجھی ہوئی زبان کا سب سے بڑا، سب سے اہم حصہ ہے۔ اس کے بغیر فاکنر فاکنر نہیں رہ سکتا۔ ایک دفعہ عادی ہو جانے کے بعد یہی زبان اپنے اندر ایک خاص خوبصورتی اور کشش رکھنے لگتی ہے۔

اس فینٹاسی کے لکھنے کا خیال پہلے پہل مجھے تب آیا جب میں نے مشہور انگریزی ناولسٹ مرحوم جارج آرویل کے حال میں شائع شدہ ناول "نائنٹین ایٹی فور" (سن ۱۹۸۴ء) پر انگریزی ادبی ہفت ناموں میں ریویو پڑھے۔ یہ ناول بھی مستقبل کے متعلق ایک لاجیکل ناول ہے۔ (میں نے اس کو ابھی تک نہیں پڑھا اور نہ ہی اسے یہاں کسی بک شاپ پر دیکھا ہے۔) آرویل کا ناول حقیقت پسندانہ ہے اور اسے تنقید نگاروں نے اپنے تاثر میں دل ہلا دینے والا اور خوفناک بتایا ہے۔ میری فینٹاسی ایک ہلکی چیز ہے، ایک لمبا قہقہہ جس میں مصنف اگر ہر وقت نہیں تو زیادہ وقت ہنس رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ مستقبل کے متعلق میرا تخیل لاجیکل (منطقی) نہیں۔

چند ماہ ہوئے میں نے ایک چھوٹی سی طنز لکھی تھی جو "ستاروں کے آگے ماضنین میں" کے عنوان سے "امروز"، کراچی، میں چھپی۔ میرا خیال ہے کہ اسے کافی پسند کیا گیا۔ مگر میری تسلی نہیں ہوئی تھی؛ میں ابھی بہت کچھ اور کہنا چاہتا تھا اور اس تھیم کو ایک وسیع تر کینوس پر پیش کرنے کے لیے جل رہا تھا۔

میرا ارادہ ایچ جی ویلز کی فینٹاسیوں کے تتبع میں لکھنے کا تھا مگر میں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ میری یہ فینٹاسی ایک فارس (farce) بن کر رہ گئی ہے ــــ ایک بے ہنگم اور بدراہ سی فارس۔ میں تم سے یہی درخواست کروں گا کہ تم ایک فارس کی کسوٹی پر اس کی ادبی حیثیت کو پرکھو۔

اور کیا میں اب گھنٹی بجا کر اس بہروپ پر سے پردہ اٹھا سکتا ہوں؟

محبت اور اخلاص کے ساتھ،

تمہارا بھائی، ایم خالد۔

مسٹر پو پو کا پیش لفظ

جو زیادہ تر ان کے لیے ہے جن کی تاریخ قدرے کمزور ہے

انیس سو بانوے (۱۹۹۲ء) کی جنگ کے بعد دنیا پر جو ہولناک تباہی آئی اس کے اثرات سے ابھی تک یہ بد قسمت کرہ زخم خوردہ ہے۔ دنیا کو اس جنگ سے پہلے کی سی تمدنی اور ثقافتی حالت پر لوٹ آنے کے لیے (اگر وہ پھر کبھی اس حالت پر آ سکتی ہے تو) صدیوں کی مسافت پھر سے طے کرنی پڑے گی۔ تمدن، تہذیب، آرٹ کے وہ شاندار مانومنٹ جو انسانیت نے ہزاروں سال کی محنت اور دماغ سوزی کے بعد کھڑے کیے تھے اور جن کی تعمیر میں ہزاروں مصنفوں، شاعروں، فلسفیوں، صناعوں اور دوسرے ذہین آدمیوں نے اپنا حقیر اور اہم حصہ لیا تھا، چار پانچ گھنٹے کے وقفے کے اندر اندر حرفِ غلط کی طرح زمین کے چہرے سے اس طرح ملیامیٹ ہو گئے جس طرح ایک بچے کی سلیٹ پونچھ دی جاتی ہے۔ افلاطون اور ارسطو کا فلسفہ، مائیکل اینجلو کی پینٹنگز اور لاتعداد آرٹ اور صناعی اور انسانی جدّت کے شاہکار اس ہون کنڈ میں بھسم ہو گئے۔ طوفانِ نوح کے بعد یہ دوسری عالمگیر تباہی تھی، مگر اس سے کہیں زیادہ ہولناک اور اس سے کہیں زیادہ اپنے اندر کینہ پرور اثرات لیے۔ طوفانِ نوح کے وقت دنیا مقابلتاً بچہ تھی اور انسان ابھی تک اپنی غیر مہذب، ابتدائی، پتھر اور دھات کے زمانے کی منزل میں تھا۔ اس وقت آدمی ان بلندیوں پر نہ پہنچا تھا جن پر آنے والے قرنوں کی مسلسل کشمکش نے اسے پہنچا دیا۔ اس نے اُس وقت تک قدرت کے سینے سے اس کے وسیع اور خوبصورت اور خوفناک راز نہیں چھینے تھے، اس لیے طوفانِ نوح نے اس کرے پر براعظموں کے براعظموں پر فاتح جھپٹتے ہوئے پانیوں کو دوڑا کر سوائے حیوانی اور انسانی زندگی کے کچھ زیادہ تباہ نہیں کیا کیوں کہ تباہ کرنے کے لیے کچھ زیادہ نہ تھا۔ اس کے برعکس ۱۹۹۲ء کے اس طوفان نے، جو آدمی کی خود اپنی جدّت اور قوت کا پیدا شدہ تھا، قرنوں کی قیمتی روایات، ہزاروں سال کے حاصل کیے ہوئے علوم کی میراث کو زائل کر دیا اور بچی ہوئی دنیا کو حقیقتاً صدیوں

پیچھے بربریت کی طرف پھینک دیا۔

جیسا کہ تاریخ کے سب طالبِ علموں کو معلوم ہے، یہ طوفان پہلے پہل شمالی امریکہ کے بڑے، زندگی سے گرجتے ہوئے شہروں پر آ کر ٹوٹا۔ ۱۹۹۳ء بیس اگست کی شام کو، جب اس افسانوی دولت مند براعظم کے لوگ سونے کی چکی میں پسنے کے بعد تفریح اور قرار کی تلاش میں نائٹ کلبوں اور ناچ گھروں اور تھیئٹروں کو بھاگ رہے تھے، پیلے جلتے ہوئے تارے ان کو اوپر نیلی فضا میں سے ٹوٹتے ہوئے اور ان کی طرف ایک بے حد تیز، خوفناک رفتار سے سفر کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ دوسرے لمحے میں خاتمہ تھا، مکمل اور قطعی فنا، زندگی کی کلّی نیستی جو حقیقی قیامت کے تصور سے کہیں زیادہ حسین اور آرٹسٹک تھی۔ نیویارک کی ٹیوب (زمین دوز ریلوے) میں کام کرنے والے ایک انجن ڈرائیور نے، جو اُن چند میں سے ایک تھا جو اس شہر کی تباہی کا آنکھوں دیکھا حال بتانے کے لیے ایک دو سال اور سسک سسک کر جینے کا عذاب بھگتتے رہے، (گرنے والے بم سے پیدا ہونے والی تابکار لہریں ایستھر کے ساتھ دو ہزار فٹ زمین تلے بھی پہنچ گئی تھیں اور ان بد قسمتوں کے جسموں میں سرایت کر کے ایک ایسی مہلک بیماری بن گئیں جو مرکزِ حیات کو رفتہ رفتہ گلاتی رہی) بعد میں چند سیاحوں کو اپنی شہادت دیتے ہوئے کہا کہ نیویارک ایک موت اور ظلمت کا شہر ہو گیا۔ مغرور اسکائی اسکریپر تاش کے پتوں کی طرح نیچے آ رہے اور مَین ہیٹن کی وہ آسمان کو چھوتی ہوئی شہرۂ آفاق اسکائی لائن جہاں کروڑوں کی فارچونیں بنتی اور کھوئی جاتی تھیں اور جہاں دنیا کے بعض بہترین پینٹ اور کاسمیٹک اور انسانی خود نمائی کی اشیا کے اسٹور تھے اور خون کو تیز تر دوڑا دینے والے پوری رات کھلے رہنے والے نائٹ کلب، وہ شہرۂ آفاق اسکائی لائن اب وہاں نہ تھی۔ ہاربر میں لنگرانداز جہاز بم کی گرمی سے جل کر جھلسے ہوئے ٹیب ہو گئے اور مین ہیٹن کے گرد بیس بیس میل کے دائرے کے اندر ایک چھوٹی تک کھڑی نظر نہ آتی تھی۔

آدمی نے اپنے خالق کو بتا دیا تھا کہ گو وہ (آدمی) تخلیق نہیں کر سکتا، وہ تباہ کر سکتا ہے اور تباہ بھی اپنے خالق سے زیادہ بہتر اور مکمل طریقے سے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہر ایک شخص جانتا ہے۔ یہ نائٹروجن بم امریکہ کی ریاستوں کے بعد نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا اور کینیڈا کے بڑے بڑے صنعتی شہروں پر گرے اور ان زندگی سے

بھر پور شہروں میں لاکھوں انسان پل بھر میں ختم ہوگئے اور ان کے شہر پرانے بابل اور نینوا کے افسانے بن کر رہ گئے۔

بیسویں صدی میں جتنی جنگیں ہوئیں — ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگِ عظیم، ۱۹۳۹ء کی دوسری جنگِ عظیم اور ۱۹۵۵ء کی تیسری جنگِ عظیم — ان میں سے ہر ایک کے بعد یہ پیشین گوئی کی جاتی تھی (میرے خیال میں کسی قدر اذیت پسندی کے حیوانی انبساط کے ساتھ) کہ اگلی جنگ تہذیب کا خاتمہ کر دے گی۔ ۱۹۵۵ء کی تیسری جنگِ عظیم نے تقریباً تقریباً اس پیشین گوئی کرنے والوں کو سچا کر دیا مگر پھر بھی پوری طرح نہیں، اور تہذیب کی مشعل اسی طرح سلگتی اور روشن تر ہوتی گئی۔ ۱۹۹۲ء کی عالمگیر تباہی نے (میں اسے جنگ نہیں کہوں گا کیوں کہ یہ بات ابھی تک تحقیق تک نہیں پہنچی کہ اس کو شروع کس نے کیا) فی الواقع تہذیب کو دم توڑنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۵۵ء کی جنگ میں امریکہ تباہی اور ہولناکی سے تقریباً بچ گیا تھا مگر اس دفعہ امریکہ ہی پہلے ختم ہوا۔

چند گھنٹوں میں ہزاروں سال کی تہذیب کا روحانی اور مالی اثاثہ صفر ہو گیا۔

امریکہ بیسویں صدی کی تہذیب کا سب سے بڑا شارح اور سب سے اہم معمار تھا۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ امریکہ کے پاس اس وقت گویا تہذیب کی اجارہ داری تھی۔ بہر حال امریکی کلچر یا امریکی تمدن اتنے بڑے پیمانے پر ہالی وڈ کی فلموں، ان گنت میگزینوں اور کوکا کولا کی شکل میں دنیا کے ہر غیر مہذب ملک کو بر آمد کیا جانے لگا تھا۔ بہت سے لوگوں کے تحت الشعور میں تہذیب اور "امریکیانا" ایک ہی چیز کے دو نام ہو گئے۔ ہماری پود کو فراواں مواد کی وہ مصوّر امریکی میگزینیں یاد ہوں گی۔ (وہ ان کے رنگین للچا دینے والے ناشتوں اور سگرٹوں اور وسکیوں کے اشتہار! وہ غیر مہذب ممالک میں غیر مہذّبانہ واقعات کی خود نمائندہ خصوصی کی کھینچی ہوئی تصویریں! وہ ہر لفظ میں چمکتے ڈالر کی کھنک!) اس وقت کی بنی ہوئی ہالی وڈ کی بعض فلمیں اب بھی دیکھی جا سکتی ہیں، جرم، تشدد اور جنسیت پر اپنی تاکید کے ساتھ۔

دراصل اگرچہ امریکہ اب قدیم شامی اور رومی ایمپائروں کے ساتھ ایک ہو گیا ہے۔ "امریکیانا" ابھی تک بے حد زندہ ہے۔ ہماری پود، ہالی وڈ کی فلموں اور امریکی میگزینوں پر پلی ہوئی، ابھی تک

اس روایت کو بہادری اور پیار سے زندہ رکھے ہوے ہے۔ ہم میں سے بہت سے — خواہ وہ یوکناپوٹاواہا میں ہوں یا ماضنین میں — اب بھی بش شرٹ پہن کر اپنی بالوں سے بھری ہوئی چھاتیوں کی نجاست کے ذریعے اپنی مردانگی اور جنسی قوت کی نمائش کرتے ہیں۔ بعض اب بھی "ہاں" کی بجاے "یپ" کہتے ہیں جیسے وہ کوئی ایسی چیز نگل رہے ہیں جو حلق سے اترنے سے انکار کر رہی ہو۔ "او کے" ایک ایسا بین الاقوامی (اگرچہ قومیں اب رہ ہی کون سی گئی ہیں) لفظ بن گیا ہے جو ہر موقعے اور ہر محل میں اس وقت مدد کو آ پہنچتا ہے جب ہمیں گفتگو میں کسی موزوں لفظ کی تلاش ہوتی ہے۔

لیکن یہ امریکیانا وہ بلند تر امریکی کلچر نہیں — وہ آئن اسٹائن کی حیرت انگیز دریافتیں نہیں جو اس نے اپنے امریکہ میں قیام کے دوران کیں، وہ امریکی مصنفوں اور فلسفیوں کی پرواز نہیں۔ یہ امریکیانا کچھ فحش، کچھ متلی لانے والا ہے؛ امریکی تہذیب کا سب سے لچر، سب سے پوچ بیرونی خول۔ میں ایک مثال دوں گا۔ (مثالیں دینا میری ایک کمزوری ہے۔) غالباً ۱۹۵۰ء میں آئن اسٹائن نے اپنی تہلکہ مچا دینے والی تھیوری سے ریاضی کی مدد سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہمارا کرہ دراصل کرہ نہیں بلکہ ایک بیلن کی شکل کا ہے۔ دنیا اس وقت یہ مان گئی تھی۔ ان ریاضی دانوں اور ہیئت دانوں نے بھی اس کو تسلیم کر لیا تھا جو دوسروں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ آئن اسٹائن کی ریاضی کو صرف آئن اسٹائن ہی سمجھتا ہے۔ اب کیوں کہ آئن اسٹائن کی وہ ہائر ریاضی اور چوتھی ڈائمنشن پر تحقیق کے کاغذات سب ضائع ہو گئے ہیں (اور اگر ہوتے بھی تو میرا خیال نہیں کہ موجودہ احمق دنیا میں کوئی ان کے سر پیر کا پتا لگا سکتا) موجودہ نسل اس مہیب جینیئس کی اس عجیب تھیوری پر قہقہہ لگاتی ہے اور اس (تھیوری) کو ایک خبطی سٹھیائے ہوے آدمی کا ہذیان تصور کرتی ہے۔ ہم اب تک یہی یقین کرتے ہیں کہ یہ کرہ ایک کرہ ہی ہے اور یوکناپوٹاواہا (وہ جمہوریت جس کا میں صدر ہوں) میں تو نوے فی صدی آدمیوں کے خیال میں زمین ایک مستطیل ہے۔

اس جنگ نے انگلستان کو بھی تباہ کر دیا۔ وہ محنتی، صنعتی اور چھوٹا سا دیوالیہ ملک؛ شاید جنگ نے وہاں کے باشندوں کو ایک نہ ختم ہونے والی جسمانی، اعصابی اور روحانی کشمکش سے ہمیشہ کے لیے رہائی دلا دی۔ ان کی تباہی سے وہ خوفناک قرضے جو انھوں نے بیشتر حکومتوں کو

دیے تھے، خود بخود ہی صاف ہو گئے کیوں کہ نہ کوئی قرض خواہ رہا نہ مقروض۔

میری رائے میں یہی ان کے مخمصے کا سہل ترین حل تھا۔ وہ امریکیوں سے زیادہ ٹھوس صفات کے حامل تھے اور ان کی تہذیب اتنی پرانی تھی کہ وہ اب خود اُن کی طرح زنگ آلودہ اور بے رنگ سی ہو چلی تھی۔ اس تہذیب میں امریکی براعظم کی بھڑک اور اٹھارہ سالہ لڑکے کی تازگی اور بے پروایانہ خوشی اور جرأت نہ تھی۔ بڑی ڈل اور پروزیک قوم تھی یہ انگریز! انھیں اپنے مزاح کی حس، اپنی قوت اختراع، اپنے طریقۂ بودوباش، اپنی بیئر، ان سب کے دنیا بھر میں عمدہ ترین ہونے میں گو کوئی شک نہ تھا مگر امریکنوں کی طرح انھوں نے کبھی شیخی نہ بگھاری۔ انھوں نے اپنا کلچر پھیری پر رکھ کر بیچنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ انگریزی چیزوں کے متعلق بہترین ہونے کی اپنی رائے کو اپنے تک محدود رکھا۔ وہ دوسروں کے احساسات کو دکھانا نہیں چاہتے تھے اور شاید کسی قسم کی خوداعتمادی اور طفلانہ شیخی کے اظہار کو چھچھوراپن گردانتے تھے۔ یا شاید وہ اپنی تہذیب اور برتری کو جاہل گھٹیا نسلوں سے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔

میں، پوپو، نے ذاتی طور پر ہمیشہ ان کو امریکیوں سے زیادہ پسند کیا۔ عموماً میں ٹھوس صفات کے لوگوں سے کنی کترایا کرتا ہوں مگر میری رائے میں یہ انگریز عربی گھوڑوں کی طرح ایک عمدہ انسانی نسل تھے اور دنیا نے ان کی تباہی سے کچھ کم نہیں کھویا۔ یہ غنیمت ہے کہ ان کے بیشتر پرانے لافانی کلاسکس ہمارے پاس ہیں اور ان کی زبان اب تک کئی ممالک میں سرکاری زبان ہے، جیسے خود ہمارے یوکناپوٹاوابا کے ملک میں۔

تباہی کے بعد ان میں سے جو کچھ بچے ـــ لندن اور لیورپول کی زمین دوز ریلوے میں کام کرنے والے مزدور اور ویلز کی کوئلے کی کانوں کے کوئلہ کھودنے والے ـــ انھوں نے موجودہ رپورٹوں کے مطابق چوہوں کے مانند زمین کھود کر رہنا شروع کر دیا ہے۔ ایک چینی حیاتیاتی مہم نے، جو اس جزیرے پر ۳۰۰۰ء میں بعض کیمیاوی پودے اکٹھا کرنے کے مقصد سے گئی، اپنی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا ہے کہ یہ باشندے کاشت کے نہ ہونے اور جانوروں کی قلت کے سبب سے مردم خور ہو گئے ہیں۔

(رپورٹ کے الفاظ: "ہماری مہم کا ایک بدقسمت ممبر مسٹر فانگ فو ایک مقام پر ہمارے

کیمپ سے دور نکل گیا۔ جب وہ شام تک بھی نہ لوٹا تو ایک تلاش کی پارٹی اس کا کھوج لگانے کے لیے بھیجی گئی۔ اس پارٹی نے تھوڑی دور جا کر ایک پہاڑی پر چند ننگے جزیرے والوں کو ایک آدمی کی لاش پر ضیافت اڑاتے دیکھا مگر پارٹی کے وہاں تک پہنچنے پر جزیرے کے لوگ سب بلوں میں گھس گئے۔ یہ کہنا غیر ضروری ہو گا کہ یہ لاش جو ان وحشیوں کے رات کے کھانے کا کام دے رہی تھی ہمارے بد قسمت ممبر مسٹر فانگ فو کی تھی۔ کیوں کہ مسٹر فانگ فو اب مہم کے لیے زیادہ فائدہ مند نہ تھا اس لیے اصلی باشندوں کی خواہشوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بچے کھچے جسم کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔)

فرانس کے ساتھ بھی امریکہ کی تباہی کے ایک ہفتے بعد یہی کچھ پیش آیا۔ اس ملک میں انسانی زندگی کی تباہی اتنی مکمل نہیں ہوئی جیسی کہ امریکہ اور انگلستان میں ہوئی تھی۔ ان سطور کے لکھتے وقت وہاں چند بوڑھے اصلی باشندے رہ رہے ہیں۔ بموں کے بعد فرانس کی آبادی پہلے سے بیسویں رہ گئی ہے اور وہ بھی زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن پر نائٹروجن بیماری اپنا ہلاکت انگیز ہاتھ رکھ چکی ہے۔ اس بیماری سے ہر سال ہزاروں آدمی وہاں مرتے ہیں اور جو سخت اذیت اور درد میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جینے کے لیے رہ گئے ہیں وہ اس بیماری کے ناقابلِ فہم اثر سے اپنی جنسی اور پیدا کرنے کی طاقت کھو بیٹھے ہیں۔ ان بموں کے بعد فرانس میں سال بھر میں صرف سو بچے پیدا ہوئے۔

فرانس کی تباہی فی الواقع سب سے بڑی ٹریجیڈی تھی۔ فرانسیسیوں کی ثقافت اور اخلاق، ان کا آرٹ اور ادب دنیا بھر میں بے مثال تھے۔ ان کی تاریخ بہادری اور حوصلے کے کارناموں سے پُر رنگ اور درخشاں تھی۔ شاید جہاں تک تباہ کن آلات کے بنانے کا تعلق ہے فرانسیسی امریکی اور روسیوں سے کہیں پیچھے تھے اور اس قسم کی ایجادوں کے لیے ان کے پاس وہ خاص طرز کا دماغی رجحان نہ تھا۔ انھوں نے حسن اور عورت کی پرستش کو ایک کلٹ (cult) بنا لیا اور میری رائے میں فرانسیسی ایک ایسی قوم تھے جو عورتوں سے محبت کرنا جانتے تھے۔ اس جذبے کو آرٹ تک لے جانے کی فکر نے قدرتاً ان کو کچھ تن آسان اور خوش دل سی قوم بنا دیا۔ دوسری دنیا کی قوموں کو فرانسیسی سست، عیاش اور بد چلن معلوم ہوتے تھے مگر یہ صرف ایک حد تک ہی سچ تھا۔ میرے

خیال میں وہ دنیا میں سب سے زیادہ مہذب قوم تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے (جیسا کہ جنگ سے بہت پہلے کے ایک انگریز مصنف نے اقرار کیا ہے) کہ فرانسیسی نثر مکمل تھی۔ امریکہ میں جاز بینڈ کے بادشاہوں اور موٹر کاروں کے بادشاہوں کی قدرومنزلت تھی۔ انگلینڈ ابھی تک اپنے مرغوب امرا لارڈ فج اور ڈیوک گھم کے پیچھے دیوانہ تھا، مگر فرانس کی آنکھوں کے تارے اس کے بڑے نثر نگار تھے — موپاساں، پرُوست اور فرانسوا موریاک۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان بڑے مصنفوں کی تصنیفات اب بھی ہماری لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔)

فرانس ایک سچی جمہوریت پسند قوم تھا۔ انگلینڈ جمہوری روایات میں فرانس سے صدیوں پیچھے تھا اور امریکہ — امریکہ کو جمہوریت کا پتا تک نہ تھا اور وہاں جمہوریت کے نام پر بڑے خدا ڈالر کا بے رحم مطلق راج تھا۔ بعضے روس کا نام لیں گے، لیکن روس نے میری راے میں انسان کو کسی حد تک اقتصادی تفکرات اور الجھنوں سے آزاد کرا کے اس سے تقریر اور تحریر کی آزادی چھین لی اور اس طرح اس کی روح کو بیڑیوں میں قید کر دیا۔ اس لیے جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مسٹر پوپو پالنہار چوکا مانیفو، تمھارے خیال میں کس ملک کی تباہی دنیا کا سب سے بڑا نقصان ہے؟ تو میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے: فرانس کی، اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں جدّت طراز ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اس جنگ کا سب سے عجیب معمّا یہ ہے کہ کس نے اس کو شروع کیا، حملہ آور طاقت کون تھی، کوئی مورخ یقین سے اس بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن اغلب ہے کہ یہ بم راکٹوں کے ذریعے روس ہی سے اس کرے کے ممالک پر بھیجے گئے (جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے ان بموں کو ریڈیو کی لہروں کی طرح منتشر بھی کیا جا سکتا ہے)۔ دوسری تھیوری یہ ہے کہ حملہ آور طاقت مشتری یا کوئی دوسرا سیارہ تھا، جو میری راے میں اس لیے غیر اغلب ہے کہ اگر اس سیارے کے باشندے سائنس کی اتنی ہی ایڈوانسڈ اسٹیج پر پہنچ چکے ہوتے کہ ان بموں سے ہماری دنیا کو تباہ کر سکتے تو وہ یقیناً تباہ کرنے سے پہلے، استعجاب کی حس کو مطمئن کرنے کے لیے ہی سہی، اس دنیا کو دیکھنے کے لیے اترتے۔

دنیا میں اس زمانے کی بڑی طاقتوں میں امریکہ کے علاوہ روس ہی ایک ایسی طاقت تھی جس

کے پاس نائٹروجن بموں کے بڑے ذخیرے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روسی لیڈروں نے کیوں یک لخت آدھی آباد دنیا اور اس کے مہذب ترحصے کو صرف تباہی کی خاطر تباہ کر دیا۔ یہ سچ ہے کہ روسی، امریکی سلینگ (slang) اور امریکی سرمایہ داری سے شدید نفرت کرتے تھے اور عجیب طور پر اپنی ایشیائی بربریت پر نازاں تھے، پھر بھی اتنے وسیع پیمانے پر عالم گیر تباہی کرنے کی کوئی وجہِ جواز ہونی چاہیے۔

میرے خیال میں وجہ یہ تھی کہ روسی "سرد جنگ" سے، جو ۱۹۵۵ء کی تیسری جنگِ عظیم کے بعد برابر کمیونسٹ یو ایس ایس آر اور استعمار پسند امریکہ کے مابین جاری تھی اور جو دونوں کے بڑے پیمانے پر خفیہ ہتھیار سازی کے بخار اور ہسٹیریا کا موجب بنی ہوئی تھی، تنگ آ گئے تھے۔ ان کو جنگ کی ناگزیریت کا یقین تھا۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہی طاقت جو بلااعلان پہلا وار کرے گی فاتح ہو گی۔ نائٹروجن بم چند گھنٹوں میں جنگ کا فیصلہ کر دیں گے۔ سو انھوں نے پہل کی اور اپنے دشمنوں کو اس سے پہلے ہی ختم کر دیا کہ وہ جواب دینے کا سوچ سکتے۔

روس کے حاکم اس وقت چند دیوانے اور نیوروٹک سائنٹسٹ تھے اور دنیا کی تباہی کے بعد انھوں نے اپنے ملک کی تباہی کی طرف رجوع کیا۔ خودکشی سلاو نسل کے لیے ہمیشہ ایک کشش رکھتی رہی ہے۔ "بڑے پانچ" اس وقت روس پر کامنترن کی بموں کی لیباریٹری اور گودام کے بل پر خوف کے ذریعے راج کر رہے تھے۔ انھوں نے انسانی آبادی کو اسی ہپناٹک طریق سے خوف زدہ اور باتھ میں کر رکھا تھا جس طرح ایک ناگ اپنی کینہ ور آنکھ سے اپنے شکار کو ایک جگہ جکڑ لیتا اور مفلوج کر دیتا ہے۔ ان بڑے پانچ کی پالٹبرو کا صدر وہ سپر سائنٹسٹ ماگلووچ تھا جو اس "ن بم" کے اصلی موجدوں میں سے تھا۔ وہ اس زمانے میں روس کا ڈکٹیٹر تھا۔ اس امر کے بارے میں ہمارے پاس کافی شہادت ہے کہ پارٹی اس سے نفرت کرتی تھی مگر ڈرتی بھی تھی۔ عوام بھی دل سے اس کو نہیں چاہتے تھے لیکن کوئی کھلم کھلا ماگلووچ کے خلاف ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ پرائیویٹ صحبتوں اور مجلسوں میں اس کا نام سوائے تعریف کے نہ لیتے، کیوں کہ اس ماگلووچ کے ہزاروں کان، ہزاروں آنکھیں تھیں۔ اس کے جاسوس ہر جگہ موجود ہوتے۔ روس کے پچاس فی صد باشندے ماگلووچ کے جاسوس تھے جو دوسرے پچاس فی صد لوگوں پر کڑی نظر رکھتے۔

پریس اس کی تعریفیں گاتا اور ماسکو میں (جس کو "ماگلووچ گراڈ" کا نیا نام دیا گیا) میں کئی ایسے معبد تھے جہاں ماگلووچ پوجا کے کلٹ کے پرستار اس کو پوجتے اور اس کی ستائشیں پڑھتے تھے۔

یہ ڈکٹیٹر قسمت کی طرح ناگزیر تھا اور سارا سہما ہوا یو ایس ایس آر اس کی خوفناک شخصیت کے سائے کے نیچے رہ رہا تھا۔ خود اس کے ساتھی سائنٹسٹ (پالٹبرو کے بقیہ چار ممبر) بھی اس سے خوف زدہ تھے۔

ماگلووچ نے اپنی ریسرچ لیباریٹری کریملن کے سب سے اونچے بُرج میں بنائی، اور شاید لیباریٹری کے لیے ایسی تنہا اور بلند جگہ کا انتخاب بلاوجہ نہ تھا۔ کامنترن کے نچلے وسیع ہال پالتبرو کی میٹنگز اور ماگلووچ کے دفتروں کا کام دیتے تھے اور ان کے نیچے تہہ خانے میں بڑی پیٹیوں میں ان بموں کا ایک ذخیرہ تھا۔ اس تہہ خانے کی چابی وہ خود اپنے پاس رکھتا۔ اپنے آدمیوں پر پورا بھروسا نہ کرتے ہوئے اس نے افریقہ کے زولوؤں کا ایک دستہ کامنترن کے داخلے پر تعینات کر رکھا تھا۔ بائپر بوروں کے جزیرے سے لائے ہوئے بڑے خونخوار شکاری کتے ایوانوں اور ہالوں میں کھلے پھرتے۔ وہ صرف ماگلووچ سے ہلے ہوئے تھے اور اس کا اشارہ پاتے ہی کسی بد قسمت کو دبوچنے اور پھاڑنے کو تیار ہوتے۔ کوئی دن ہی جاتا جب ہالوں میں جنرل پارلیمنٹ کے کسی معزز باوقار ممبر کا خون ان کو چاٹنے کو نہ ملتا۔ ماگلووچ ان کتوں کو اپنی محافظ روحیں کہا کرتا۔ یہ ماگلووچ آخر ایک دن دیوانہ ہو گیا۔

میرا خیال ہے کہ اپنے نچلے دفتر کی کسی خوبصورت ٹائپسٹ لڑکی سے محبت میں دھتکارے جانے سے وہ شورہ پشت ہو گیا ہو گا اور اس نے چاہا ہو گا کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ زمین پر اس کے بعد زندگی رہ جائے ـــــ نوجوان عاشق اپنی محبوباؤں سے باتھارن کی جھاڑیوں کے نیچے ملتے رہیں، چھوٹے بچے پھولوں کی طرح کھلتے اور گھروں کو محبت اور قہقہوں سے بھرتے رہیں۔ وہ اپنے مرنے سے پہلے دنیا کو ایک بڑی مہیب چتا بنا دے گا اور اس نے اپنے اس ظالمانہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

کریملن کا برج ن بم کی صرف لیباریٹری ہی نہ تھا بلکہ ماگلووچ نے اس کو ایسے سائنٹیفک آلات سے لیس کیا تھا جس سے وہ ن بم کی شعاعیں یو ایس ایس آر کے دور دراز کے صوبوں اور

شہروں تک نشر کر سکتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنی خوف ناک طاقت اپنے ہاتھ میں رکھنے کے سبب اسے اس طاقت کے استعمال کی ترغیب بے اندازہ ہو گی اور میری رائے میں یہ کوئی زیادہ حیران کن نہیں کہ اس نے اس ترغیب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ہر آدمی خود غرض ہے اور ہر آدمی اذیت پسند! ہم میں سے ہر ایک کے اندر بھی ایک ماگووچ ہے۔

مقررہ رات کو وہ ایک پارٹی میٹنگ کے بعد اوپر اپنے بُرج میں چڑھ آیا ہو گا۔ یہاں اس نے اپنے بم ٹرانسمیٹر کو یو ایس ایس آر کے مختلف اہم صنعتی شہروں پر یکے بعد دیگرے مطابق کیا ہو گا اور ان کی سمت ن بم نشر کیے ہوں گے۔ اس کا پہلا بم غالباً سفید روس کے شہر لینن گراڈ کی طرف گیا کیوں کہ اس کو لینن کے خلاف ایک للّہی بغض تھا۔ ایک بم لینن گراڈ اور اس کے ارد گرد بیس بیس میل کے علاقے کو ایک بے آب و گیاہ صحرا بنانے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد دوسرے شہروں کی باری آئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کام میں ایسی باقاعدگی، ایسے نظم سے کاربند ہوا کہ جس جس شہر اور قصبے کی تباہی ہوتی اور وہ اس کا ریکارڈ ٹیلی ویو میٹر پر دیکھتا، اس شہر اور رقبے کو اپنے سامنے دیوار پر لٹکے ہوئے بڑے چارٹ پر سے کھرچ دیتا۔ دو گھنٹے میں (جہاں تک روس کا تعلق تھا) اس کا کام تکمیل کو پہنچتا معلوم ہوا۔ اب اس کو بقیہ دنیا کو ختم کرنا تھا کہ اتنے میں اسے نیچے سیڑھیوں پر "بڑے چاروں" کے اوپر آنے کی آہٹ سنائی دی اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا راز افشا ہو جائے گا۔ اس نے جلدی سے ایک بم نیچے ماسکو پر بھیجا۔ یہ اشتراکی دارالسلطنت کا خاتمہ تھا۔ اس شہر میں صرف کامنترن کے نیچے تہ خانے کے زولو محافظ اور ٹیوب میں کام کرنے والے عملے کے چند لوگ بچے۔

اس ہولناکی سے جو ملک بچ گئے ہیں ان میں ریاست ہائے متحدہ افریقہ (فیڈرل دارالخلافہ ڈربن) ہے۔ اس ملک میں سیاہ آدمی نے اپنے آپ کو پوری طرح ایسرٹ (assert) کر لیا ہے اور سفید آدمی کا جُوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا ہے۔ کسے معلوم تھا کہ ۱۹۹۵ء میں بوئر جنوبی افریقہ کو چاکا اور ڈنگان کے زولو تہ و بالا کر دیں گے، سب سفید آدمی سنانوں اور بھالوں کی نوکوں سے مارے جائیں گے، ان کا گوشت کچا کھایا جائے گا اور بچا کھچا جنگلی بجوؤں اور بھیڑیوں کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ ریاست ہائے متحدہ افریقہ سیاہ آدمیوں کی جمہوریت ہے، جس میں وچ ڈاکٹر

اب بائی کورٹوں کے جج ہیں۔ تہذیب کے تھوڑے بہت اثر نے اگرچہ ان زولوؤں کی زندگیوں کو بہت کچھ بدل دیا ہے پھر بھی ان کی ابتدائی جبلت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ جنگی ڈھول کی آواز اب بھی ان کے تاریک خون کو متلاطم کر دیتی ہے اور وہ یک لخت زنا اور قتل کی بدمستیوں میں بہہ جاتے ہیں۔ ان کا مستقبل شاندار ہے کیوں کہ ان میں اپنی قدیم نسل کا بدراہ جینیئس ہے اور کسی دن وہ دنیا کو اس کا بہترین ادب، اس کی سب سے عظیم موسیقی دیں گے۔ اس ری پبلک میں سفید آدمیوں کے خلاف وہی تعصب ہے جو پچاس سال پہلے بوئر جنوبی افریقہ میں سیاہ آدمیوں کے خلاف تھا۔ کئی ممتاز ہوٹلوں پر یہ بورڈ آویزاں ہیں: "سفید آدمی منہ کالا کیے بغیر اندر نہیں آ سکتے۔" ری پبلک کا ایک اور ان لکھا قانون یہ ہے کہ جب ایک سفید آدمی اپنے سامنے ایک سیاہ آدمی کو آتا ہوا دیکھے تو فوراً زمین پر سجدہ کر کے تعظیم کرے، اور بعض شہروں میں تو سفید آدمی بازاروں میں غلاموں کے طریق پر فروخت کیے جاتے ہیں۔

شمالی افریقہ پر اب ۲۰۰۰ء میں ہزاروں سال کے بعد پھر ایک مطلق العنان فرعون کا راج ہے جو قدیم مصری تہذیب کو پھر سے زندہ کرنے پر آمادہ ہے۔ دس سال پہلے اس نے قہراؤ (پہلے قاہرہ) کے سارے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ شہر خالی کر کے نیل کے کنارے پر اس کے لیے ایک چوتھا مخروطی ہرم تعمیر کریں جو پہلے تین اہرام میں سب سے بڑے ہرم سے دس گنا زیادہ بڑا ہو۔ جدید ترین رپورٹوں کے مطابق ابھی تک اس ہرم پر کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے بیشتر لوگ سچے دین سے پھر کر اپنے آباواجداد کے قدیمی پھن دار سانپ کی پرستش کے کلٹ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

فلسطین میں انگریزوں اور امریکیوں کا بسایا ہوا اسرائیل کا ملک اب بھی ہے مگر وہ ایک طاقتور اسلامی بلاک سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے باوجود اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں صنعتی اعتبار سے شاید سب سے طاقتور ملک ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسرائیلی حکومت کے سائنٹسٹوں کے پاس ن بم کا راز موجود ہے۔ پہلے مسیحا کے بعد ان کے دو اور مسیحا آ چکے ہیں اور وہ ان دونوں کو بھی مصلوب کر کے اب چوتھے کے منتظر ہیں۔ ان کا یہ یقین کہ وہ اپنے خدا (جس کو وہ "یہوا" کہتے ہیں) کے چنے ہوئے اور برگزیدہ لوگ ہیں، اور زیادہ جڑ پکڑ گیا ہے اور وہ بیرونی آدمیوں کے اپنی

مقدس سرزمین پر قدم ٹکانے کے مطلق روادار نہیں۔ اڑتی ہوئی موٹر کار ان کی ایجاد کہی جاتی ہے مگر یہ اس طرح ڈیزائن کی گئی ہے کہ یہ صرف اسرائیل کی مملکت کے حدود کے اندر ہی اڑتی ہے۔ یہ یہووا کے اپنے چنیدہ اور برگزیدہ بندوں کے لیے چنیدہ اور برگزیدہ مشین ہے۔ یہ برآمد نہیں کی جاتی۔ ان کا مذہب اس کی غالباً اجازت نہیں دیتا۔

پھر عرب کا ملک ہے۔ امریکہ کی تباہی کے بعد اینگلو عرب آئل کمپنی کے امریکی انجنیئر، امریکی اسٹاف اور ان کے کنبے یہیں آباد ہو گئے تھے۔ ان سب نے اسلام قبول کر لیا اور نجدی حکومت نے ان کو خاص مراعات دیں۔ یہ امریکی فوراً ملک کو میکانائز کرنے لگ گئے۔ اب وہ اور ان کی اولاد نجد شام ریلوے لائن کو آپریٹ کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایک چھوٹی ہوائی جہاز کی سروس سلطان ابن سعود ایرویز کے نام سے بھی قائم کر لی ہے۔ (سلطان ابن سعود ایک قسم کا عرب نپولین تھا۔ وہ تیسری جنگ عظیم تک عرب پر کلّی حکمراں رہا۔) ایک چھوٹا اندرونی شہر ریالدہ اب مستقبل کا ہالی وڈ بن رہا ہے۔ موجودہ پریزیڈنٹ انھیں نومسلم امریکیوں میں سے ہے اور وہ حکومت کو کچھ کچھ امریکی کانسٹی ٹیوشن کے مطابق چلا رہا ہے۔ امریکی زبان اب عربی کے ساتھ ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے اور امریکی بش شرٹ اب قومی لباس ہے۔ دارالخلافہ جدّہ کے پانی کے فرنٹ پر پانچ بڑے اسکائی اسکریپر بن چکے ہیں جن میں سے ایک چالیس منزل اونچا ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ کہ جدّہ مستقبل کا نیویارک بننے والا ہے، ابھی صرف دعوے کی منزل پر ہی ہے۔

لیکن دنیا میں لیڈر اس وقت جو ملک ہے وہ اسلامستان ہے۔ پاکستان، ایران اور افغانستان کا یہ ٹھوس بلاک جس کی سرکاری زبان فارسی ہے اور جس کا فیڈرل دارالحکومت کراچی ہے۔ اسی مربع میل میں پھیلا اور چالیس لاکھ نفوس کا یہ خوبصورت شہر سوائے غالباً پیکنگ کے دنیا میں ایک ہی شہر ہے جس کی زمین دوز ریلوے کا سسٹم بالکل ساؤنڈ پروف اور آٹومیٹک ہے۔ اس شہر میں نیویارک جیسے بڑے اونچے اسکائی اسکریپر بھی ہیں اور پیرس جیسے چوڑے باغیچے اور بولیوارڈ بھی۔ اگر فرانسیسیوں کی ثقافت اور جمہوری روایات کو کسی ملک نے ورثے میں پایا ہے تو یہی ملک ہے۔ ری پبلک کا صدر خلیفہ کہلاتا ہے جو زندگی بھر کے لیے ہوتا ہے مگر حقیقی طاقت لوگوں کے اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ہر پانچویں سال الیکٹ کیے جاتے ہیں۔

اسلامستان کا ہمسایہ ملک بھارت بڑی تیزی سے قرونِ وسطیٰ میں جا رہا ہے۔ مجھے ان لوگوں کے متعلق زیادہ حال معلوم نہیں اور کوئی بھی جدید تاریخ کی کتاب طالبِ علم کو اس ملک کے تمدن اور حکومت کے متعلق جاننے میں مدد دے سکتی ہے۔ ان کے بارے میں یہ سنا جاتا ہے کہ وہ بندروں کو متبرک سمجھتے ہیں اور ان کی بعض ریاستوں میں یہ پاک بندر اس وقت پرائم منسٹری کے عہدے پر فائز ہیں اور ان میں سے بیشتر (یہ دعویٰ کیا جاتا ہے) قدیمی شاستروں کے برہمنوں سے بہتر وِدوان ثابت ہوئے ہیں۔

اب میں یوکنا پوٹاوابا پر آتا ہوں جس کا میں (ہز ایکسیلنسی پوپو پالنہار چو کا مانیفو) پریزیڈنٹ ہوں۔ ہم ایک چھوٹا سا ملک تو ضرور ہیں مگر ہم دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں اپنی جگہ لینا چاہتے ہیں۔ ہمارے لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ اور افسر لوگ ہیں اور ان کا مذہب کنفیوشنزم ہے۔ کنفیوشس محض ایک دانا بوڑھا فلسفی تھا۔ نہ وہ دیوتا تھا اور نہ رسول۔ اس کو ماننے والوں کا انداز اس کی طرف کچھ کچھ مربیانہ سا ہے اور ان کے عقائد میں جنون کا شائبہ تک نہیں۔ کنفیوشنزم ایک نہایت خوبصورت قسم کا مبہم اور غیر واضح مذہب ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم شاید اسی کمزوری کی وجہ سے دوسری قوموں سے کسی قدر زیادہ فراخ دل اور متحمل مزاج ہیں اور زیادہ سہل رفتار بھی۔ (بعض لوگ کنفیوشنزم سے پراگندہ دماغی کا مطلب لیتے ہیں۔ ان کا خیال غالباً یہ ہے کہ یہ لفظ انگریزی "کنفیوژن" سے نکلا ہے، جو درست نہیں۔ یہ البتہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انگریزی لفظ کنفیوژن کنفیوشس کی رعایت سے تراشا گیا ہو۔)

ماضنین کا ملک جس کے کابو کے دعوت نامے پر میں ظاہراً اس ملک کے لیڈروں سے ڈپلومیٹک تعلقات قائم کرنے کے لیے، لیکن حقیقتاً ان کی مہمان نوازی کی آزمائش کرنے کے لیے، وہاں گیا اٹلانٹک کے براعظم کی ایک چھوٹی ریاست ہے۔ سو سال پہلے اس پر بائپر بوروں کا راج تھا، جن کا وطن ماضنین سے آٹھ ہزار میل پرے سمندر پار ہے۔ (اٹلس دیکھو ــــ گھر میں رکھی ہوئی اٹلس، اس کتاب کے ساتھ میں اٹلس مہیا کرنے سے معذور ہوں۔) یہ بائپر بور کچھ عرصے سے اپنی حکومت یا ماضنیوں سے قدرے بور ہو رہے تھے، اور دوسرے ان کے اپنے ملک میں کوئلے کی کانوں میں مزدوروں کی سخت ضرورت تھی؛ بہر حال ایک صبح ماضنین کے باشندے اپنے

قومی اخبار "شترا باٹائمز" میں یہ پڑھ کر دنگ رہ گئے کہ ان کے دیرینہ حکمران اور غمخوار پچھلی شام کو چپ چاپ ان کو اپنے حال پہ چھوڑ کر اسٹیمروں میں بیٹھ اپنے جزیرے کو سدھارے گئے ہیں۔ وہ بہت خوش تھے کہ اب ان کی اپنی حکومت ہو گی اور جب ان کے لیڈر افضل ترکا بو نے، جو ایک دولت مند معزز پنساری تھا، اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اپنے پرچون کے کاروبار کے ساتھ ساتھ ان پر حکومت بھی کرے گا تو وہ فرطِ مسرت سے دیوانے ہو گئے۔

ان کا مذہب بینیٹوازم ہے ___ نَو سروں والے دیوتا بینیٹو کی پرستش۔ میں یہاں اس پیش لفظ میں ان کے مذہب، رسم و رواج اور مسائل پر زیادہ نہیں لکھوں گا کیوں کہ اپنی رپورٹ میں میں نے ان کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

مجھے اگست ۲۰۱۵ء کی صبح کو یو کنا پوٹاوابا کے دارالخلافہ چفتی کے راکٹ ڈروم سے اپنے ملٹری سکریٹری سارجنٹ بُزفر کی معیت میں فائر کیا گیا اور چار منٹ کے اندر اندر ہم شترابا (دارالخلافہ ماضنین) کے اڈے کے وصول کرنے والے آلے میں وصول ہو گئے۔ میرا سر اس ہزاروں میل کے سفر سے زوں زوں لٹو کی طرح گھوم رہا تھا۔

دوسرا باب

جس میں مسٹر پوپو کی ماضنین کے دارالخلافہ شترابا میں حیرت انگیز آؤ بھگت کا ذکر ہے

میرے کانوں میں شہنائیوں کی سہانی آواز آئی اور دس ہزار حلق اپنی پوری طاقت سے چلائے: "صدر جمہوریت یوکنا پوٹاوابا زندہ باد! مسٹر پوپو زندہ باد!" اسی وقت استقبالیہ توپوں سے مجھے سلامی دی گئی۔ (سارجنٹ بزفر نے کل تیس فائر گنے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماضنینی ہمیں کم از کم تیسرے درجے کی طاقت تسلیم کرنے پر تیار تھے۔ چیف آف بنگاؤپر، جو مجھ سے پچیس دن بعد شترابا میں آیا، صرف پچیس توپیں داغی گئیں جن کے بعد وہ اس وقت تک زندہ رہا جب تک کہ بھوراراجہ شیر نے اس کو کھا نہیں لیا۔) مجھے کچھ دھندلا سا احساس ہے کہ میرے استقبال کرنے والوں میں کئی بڑے موٹے اور کئی بے حد پتلے، کئی بڑے اونچے اور کئی بے حد ٹھگنے ماضنینی تھے اور ان سب نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس کو دبوچنے کی پوری کوشش کی۔ یوکنا پوٹاوابا (میں پڑھنے والے کی پھر یاددہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میں اس اسٹیٹ کا صدر ہوں) میں سلام کا مروج طریقہ ناک رگڑنا ہے ہاتھ ملانا نہیں اور اسی لیے میں حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے ناک کے بانسے پر پیتل کی ایک پتری چڑھا کر آیا تھا۔ یہاں آ کر یہ پتا چلا کہ ماضنینی ابھی تک غیر مہذب قوموں کی طرح ہاتھ ملاتے ہیں۔ قومی خودداری اور حب الوطنی نے للکارا: "پوپو! اخلاقی جرأت سے کام لو اور ان پُروقار ہستیوں سے یوکنا پوٹاوابا کے رواج کے مطابق ناک سے ناک رگڑو۔" مگر پھر کنفیوشس کا وہ دانشمندانہ مقولہ ذہن میں آیا کہ "باورچی خانے میں وہی کرنا عقل مندی ہے جو باورچی کر رہا ہو۔" چاروناچار مجھے اپنا دایاں ہاتھ ان مختلف ہاتھوں کے رحم و کرم کے حوالے کر دینا پڑا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ دنیا کی پُردرد ترین کہانیوں میں سے ہے۔

بڑا کابو، چھوٹا کابو، اس سے چھوٹا کابو، وزرا اور بحری و بری فوج کے کمانڈر میرے سواگت کے لیے اپنے اپنے عہدوں کے مطابق ایک لائن میں کھڑے ہوئے تھے۔ بڑے کابو نے، جو قطبی

ریچھ کا بڑا بھائی معلوم ہوتا ہے، مجھے دیکھ کر اپنے دانت نکالے جیسے مَیں کوئی نئی قسم کی لذیذ پیسٹری ہوں، اور میرا ہاتھ دبوچ کر چھوڑ دیا۔ اس نے میرا تعارف چھوٹے کابو سے کرایا جس نے اسی طرح میرا ہاتھ دبوچ کر چھوڑ دیا۔ میں اس وقت کچھ کچھ غیر حاضر دماغ تھا۔ مجھے ایک لمحے تک یہ خیال رہا کہ چھوٹے کابو نے میرا ہاتھ رکھ لیا ہے اور یہ کہ اب میں اپنے دائیں ہاتھ کے بغیر ہوں۔ میں چھوٹے کابو سے اپنے دائیں ہاتھ کی واپسی کی درخواست کرنے ہی لگا تھا کہ بڑے کابو اور چھوٹے کابو نے میرا تعارف اس سے چھوٹے کابو سے کرایا جو ماضنین کا پریمیئر تھا، ایک چھوٹا سا پرندہ نما معنک آدمی بوشا نامی۔

پریمیئر نے انگریزی میں کہا، "ویلکم ٹو ماضنین۔" مجھے اس سے انگریزی زبان سن کر حیرت ہوئی کیوں کہ یہ میرے لیے کسی پرندے کو انگریزی یا اور کوئی انسانی زبان بولتے ہوئے سننے کا پہلا موقع تھا۔ وہ بھی میرا ہاتھ دبوچنا چاہتا تھا اور میں نے اس بھول میں کہ میرا دایاں ہاتھ ابھی تک چھوٹے کابو کے پاس ہے اپنا بایاں ہاتھ اس کو پیش کر دیا۔ میری اس حرکت کو، مجھے بعد میں پتا چلا، اس نے اپنی ہتک اور سبکی پر محمول کیا اور اس کے بعد گورنمنٹ ہاؤس میں میرے قیام کے دوران اس کا انداز میری طرف کچھ سرد مہرانہ اور بداندیشانہ رہا، یا یہ میرا خیال ہے۔) جوں جوں میرا تعارف ہوتا جاتا متعارف لوگ لائن چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاتے اور یک زبان ہو کر مجھے اگلے ہاتھ دبوچنے والے کے سامنے پیش کرتے۔ راکٹ ڈروم کے ارد گرد کئی ہزار ماضنینی ہاتھوں میں ماضنین اور یوکنا پوٹاوابا کے قومی جھنڈے اکٹھے اٹھائے زور زور سے چیخ چیخ کر اپنے پھیپھڑوں کو پھاڑنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ ماضنین کا ہنہناتے ہوئے سینگ دار گھوڑے کے نشان کا جھنڈا ہمارے سنہری اور سرخ بے دُم بجو کے نشان دار جھنڈے کے سامنے کتنا پھیکا اور بے ہودہ سا لگ رہا تھا۔

"مسٹر فوفو فالنہار فوکا مانیفو..." وہ نعرے لگا رہے تھے۔ مجھے اپنے نام سے ایک گونہ پیار ہے اور جب میرے نام سے بے تکلفی برتی جاتی ہے تو مجھے صدمہ ہوتا ہے۔ مجھے اپنے نام کا یہ بگاڑنا بہت برا لگا۔ (اگر تمھارا نام تیمور ہو اور تمھیں کوئی لیموں کہے تو تم ہی بتاؤ تمھارے اس آدمی کے متعلق کیا جذبات ہوں گے؟) اس وقت میں اس بارے میں بے بس تھا لیکن یوکنا پوٹاوابا

واپس جانے کے ایک سال بعد (ایک سال بعد کیوں، یہ آگے معلوم ہوگا) میں نے ماضنین کی حکومت کو جو احتجاج کا سخت نوٹ لکھا اس میں دوسری باتوں کے علاوہ اس بات پر بھی احتجاج کیا کہ میرا نام وہاں دانستہ بگاڑ کر اور توڑ مروڑ کر اچھالا گیا حالاں کہ وہ اس قدر سادہ اور چھوٹا سا ہے کہ ایک چار سالہ بچے کی زبان پر بھی فوراً چڑھ جاتا ہے۔ (احتجاج کا نوٹ میں نے اپنی کتاب "حق کی فتح" میں پورے کا پورا دیا ہے۔) اس ساری آؤ بھگت کے وقت میں بالکل بوکھلایا ہوا تھا اور اگر تم مجھ سے پوچھتے کہ آیا میں اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوں یا اپنے سر پر تو مجھے جواب کے لیے سوچنا پڑتا۔ اس سارے عرصے میں میں نے اپنے چہرے پر جو مسکراہٹ پیدا کرنے کی پوری کوشش کی اس کے نتیجے کے طور پر میرے چہرے کے اعصاب اب مستقل طور پر اس طرح کھنچ گئے ہیں کہ وہ مسکراہٹ میرے نقوش کا ایک حصہ ہو چکی ہے۔ "مسکراتا ہوا پوپو" کا نام مجھے یوکنا پوٹاوابائیوں نے میرے ماضنین کے مشن کے بعد ہی دیا ہے۔ ہاتھ دبوچنے کی رسم کے بعد ماضنین کی بحری فوج کے گارڈ آف آنر کا مجھے معائنہ کرایا گیا (کم از کم مجھے بعد میں یہی بتایا گیا کہ میں نے یہ کیا ہے)۔ دراصل میں اس وقت اپنے کتے فگارو کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ میرے بغیر کتنا اداس اور تنہا ہو گا؟ میری بیوی شماشو کی پچھلے سال وفات کے بعد یہ فگارو پہلے پہل میری زندگی میں آیا تھا اور اگرچہ میری طرف سے اس کے لاڈوں کے خلاف ایک مزاحمت تھی مگر اس کے میرے قدموں میں بیٹھ کر اپنی غمگین بڑی آنکھوں سے مجھے خاموش دیکھنے کے انداز میں ایک ایسی چیز تھی کہ میں نے رفتہ رفتہ ہتھیار ڈال دیے۔ میں اور فگارو —— آدمی اور بڑا ادنیٰ سا کتا —— ایسے ساتھی بن گئے جو ایک دوسرے کو سمجھتے اور ایک دوسرے کے لیے جیتے تھے۔ آہ فگارو!

گارڈ آف آنر کا معائنہ کرنے کے بعد دوسری چیز جو مجھے یاد ہے یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو ماضنینی لیڈروں کی معیت میں ایک اونچے پلیٹ فارم پر کھڑا پایا۔ لوگوں کا جوش اس قدر تھا جیسا کہ وہ اتنے سال محض مسٹر پوپو پالنہار چو کا مانیفو کو دیکھنے کے لیے ہی جی رہے تھے۔ ہوا میں بیگ پائپس کی آواز سہانی تھی اور میں اس پر کچھ کچھ اس طرح لہرانے لگ گیا تھا جیسے سانپ سپیرے کی بین پر اور توپیں ابھی اپنے تیسویں اور آخری فائر تک نہ پہنچی تھیں۔

"مسٹر پوپو زندہ باد! افضل ترکا بو زندہ باد! بڑا کا بو زندہ باد! چھوٹا کا بو بھی زندہ باد!" کے

نعرے ہوا میں گونج رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ وزرا جو زندہ باد نہیں کیے گئے تھے مجمعے کے دوسری طرف ایک سرسری بر ترانہ انداز میں دیکھ رہے تھے اور ماس ہسٹیریا کی اس نمائش پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ سے مسکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح کہ ایک تو وہ یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کو ان زندہ بادوں بلکہ اس استقبال سے بھی چنداں مطلب نہیں؛ دوسرے یہ کہ اگر خود ان کو زندہ باد کیا جائے تو ان کو ایک ہی احساس ہو ___ مجمعے کے ہسٹیریا پر افسوس اور رحم کا احساس۔

پریمیئر بوشا کے خیالات اتنے نفسیاتی اور الجھے ہوئے نہ تھے۔ زندہ باد اس کے طائرانہ دل کو بے حد عزیز تھا اور ماضنیوں کا اسے اس طرح نظر انداز کر دینا اس کے کلیجے میں گویا ایک چاقو تھا۔ میں نے اسے اپنے چونچ نما منہ سے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ایک بھاری پہلوان قسم کے آدمی کے کان کترتے دیکھا۔ وہ اسے سرگوشی میں کوئی ہدایت دے رہا تھا جس کے بعد موٹا فوراً چبوترے کے نیچے اتر کر مجمعے میں شامل ہو گیا۔ جب نعروں کے اگلے راؤنڈ پر "چھوٹا کابو زندہ باد!" کا ارتعاش ابھی فضا میں موجود تھا وہی موٹا آدمی ایک موٹی مٹھی سے ہوا کو چیرتا ہوا چلّایا: "پریمیئر بوشا وزیرِاعظم ماضنین، شیر ببرِ شترابا!" مجمعے میں کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا، کسی نے زندہ باد نہیں کیا۔ دو تین آدمی ہنسے۔

چھوٹے کابو اور بڑے کابو کے چہروں پر اطمینان اور عظمت کے آثار نمایاں تھے۔ وہ پریمیئر بوشا سے دل میں جلتے اور نفرت کرتے تھے کیوں کہ وہ ان دونوں کو محض سینیٹ کے اہم کاغذات پر آخری دستخط کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور ان پر جمہوریتوں کے صدروں کی کانسٹی ٹیوشنل حیثیت واضح کرتے رہنے کا عادی تھا۔

ایک بھاری آواز مجمعے کے اوپر گونج رہی تھی۔ "شترابا کے خوش قسمت باشندو!" بڑا کابو کہہ رہا تھا۔ "یہ ہماری سعادت اور خوش بختی ہے کہ اعلیٰ حضرت ہماشکل، ہٹلرِ ثانی، ہز ایکسیلنسی پوپو ..." (اس نے میرا نام غلط لیا) "صدر جمہوریہ یوکناپوٹاواہ، واہ واہ..." یہاں اس کو کھانسی لگ گئی) ...واہ نے ہمارے دارالسلطنت میں ورودِ مسعود فرمایا۔ ہم ہز ایکسیلنسی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہینیٹو! تو ہمارے دو ممالک کے درمیان رابطہٗ اتحاد قائم کر۔ اعلیٰ حضرت کے

یہاں آنے سے مہذب دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے مابین ایک ایسا رشتہ قائم ہو رہا ہے جو اگر بینیٹو نے چاہا تو کبھی نہ ٹوٹے گا۔

"کبھی نہ ٹوٹے گا..." میرے خیال پھر کر سالوں پیچھے چفتی کے سنہری کلسوں والے معبد میں لوٹ گئے، جہاں میں اور شماشو میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہوئے تھے اور راہب نے ایسے ہی الفاظ کہے تھے "رشتہ جو کبھی نہ ٹوٹے گا..." مجھے ایسا لگا جیسے کہ میں ایک بار پھر اپنی شادی کی رسم میں شریک ہو رہا ہوں اور اس دفعہ پُرکشش صبیح شماشو کی بجائے میری زندگی کا ساتھی سامنے کھڑا ہوا قطبی ریچھ بن رہا ہے۔ کیا میں اٹھوں اور کہہ دوں کہ میں اب کسی سے نہ ٹوٹنے والے رشتے قائم کرنے پر رضامند نہیں؟ کہ مجھے اپنا ادئی بدصورت فگارو بڑے کا بوسے کہیں زیادہ پسند ہے؟

بڑے کا بو کی تقریر کے بعد بڑے کا بو نے یہ صریح درخواست کی کہ میں مجمعے سے چند الفاظ کہوں۔ میں انگریزی جانتا تھا مگر میں نے یو کنا پاٹاواہوی زبان میں بولنے کو ترجیح دی کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اس کا ایک لفظ نہیں سمجھتا تھا اور میں جو کچھ چاہتا کہہ سکتا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں ماضنین میں پہنچ کر بے حد خوش ہوا ہوں اور یہ کہ میں ان کے حلقوں اور بھیپھڑوں کے متعلق اونچی رائے رکھتا ہوں۔ میں نے ان کو بتایا کہ یو کنا پوٹاواہا سے یہاں تک راکٹ کا چارمنٹ کا سفر بے حد دلچسپ اور خوشگوار تھا اور سارجنٹ بزفر کے میرے پیٹ میں ایک دو بار سر مارنے کے باوجود رستے میں ہمیں کوئی زیادہ بے آرامی نہیں ہوئی۔ میں نے ان سے بینیٹو کی خیریت پوچھی اور یہ سوال کیا کہ کیا تم یہ نہیں یقین کرتے کہ اب تم پر بینیٹو کا غضب نازل ہونا چاہیے۔

بینیٹو کے نام پر فضا "بینیٹو زندہ باد! یا بینیٹو، یا بینیٹو!" سے گونج اٹھی۔ موٹا پہلوان نما آدمی اپنی موٹی مٹھی سے ہوا کو چیرتے ہوئے چلّایا: "پریمیئر بوشا وزیرِ اعظم ماضنین..."

مجمع یک زبان ہو کر چلّایا: "پکڑلو! پکڑلو!" مجمعے میں کھلبلی سی مچ گئی۔ بہت سے لوگ ایک چھوٹے پرندہ نما آدمی کا تعاقب کر رہے تھے جو ایک ہاتھ میں جوتیاں اور دوسرے میں چاندی کے خول کی عینک اٹھائے لوگوں کے اوپر سے کودتا پھلانگتا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ وہ پکڑا گیا مگر پکڑے جانے پر معلوم ہوا کہ چاندی کا خول اس کا اپنا تھا اور جوتیاں بھی اسی کی تھیں اور یہ کہ وہ پریمیئر بوشا نہیں تھا بلکہ اس کا چھوٹا بھائی تھا جس کی گلنار اسٹریٹ میں حجامت کی دکان تھی۔ یہ دریافت

کیے جانے پر کہ وہ اس طرح آخر بھاگا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا پرائیویٹ معاملہ ہے اور ماضنینی جمہوریت میں ہر ایک شخص کو قول و فعل کی مکمل آزادی ہے۔

(میں نے یہ سب باتیں کیسے نوٹ کیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود عوام میں سے اُبھرا ہوا ہوں اور متوسط الحال والدین کا بیٹا ہوں۔ والد مرحوم چغتی کے مشہور موچیوں میں سے تھے اور انھوں نے مجھے یہ ہنر بھی سکھایا تھا۔ اب اگر میں خدانخواستہ کل پریزیڈنٹی کے عہدے سے نکال دیا جاؤں تو پھر بھی اپنی روزی خود کما کھانے کا اہل ہوں۔ میں اپنے آپ کو عوام سے اونچا یا الگ نہیں سمجھتا۔) اس کھلبلی کا یہ اثر ہوا کہ پیشتر اس کے کہ مجھے ماضنین عوام کے انضباط کے متعلق کچھ اور انکشافات ہوں اور زیادہ ماضنینی میلا کپڑا برسرِ بازار دھویا جائے، مجھے جلدی سے ایک ۱۹۶۰ء کے ماڈل کی تیتری نما اسٹوڈبی بیکر میں دھکیل دیا گیا۔ ماضنین میں سوائے کابوؤں، وزرا اور آنریبل ایف ایل پٹاخا، ایڈیٹر "شترا باٹائمز"، کے کوئی اور شخص قانونی طور پر موٹر استعمال نہیں کر سکتا کیوں کہ ماضنین دستور کے لحاظ سے مستقبل کے بجائے ماضی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب جبکہ ساری دنیا میں ۲۰۱۶ء ہے، ماضنین میں ۱۸۱۰ء ہے اور ماضنینیوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ماضی کی طرف بڑھنا یا ہٹنا ممکن ہے۔ اب جلوس روانہ ہوا، جلوس کا جنرل پلین یہ تھا:

نمبر ۱: نفیریاں بجانے والے۔ نمبر ۲: بحری فوج کا دستہ۔ نمبر ۳: بری فوج کا دستہ۔ نمبر ۴: فضائی فوج کا دستہ۔ نمبر ۵: ہماری اسٹوڈبی بیکر جس میں پچھلی سیٹ میں میرا ملٹری سیکریٹری سارجنٹ بزفر اور بڑا کابو تھے۔ نمبر ۶: ماضنین کے چار بہترین پہلوان ــــ بتیشہ پہلوان، گھونگھا پہلوان، گونگلو پہلوان اور ملا بکری پہلوان ــــ لنگوٹے کسے اور ہاتھوں میں گرز اٹھائے، پا پیادہ اور رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے۔ نمبر ۷: پریمیئر بوشا کی شیورلٹ، ۱۹۴۰ء ماڈل کی، جس کو حرکت میں لانے کے لیے آگے دو بے مہار شتر استعمال کیے گئے تھے۔ نمبر ۸: قدیم گھوڑا گاڑیوں میں زیورات سے لدی پھندی اور اطلس و کمخواب کے کپڑوں میں ملبوس ماضنین کی چند ماہرویان۔

باقی جلوس کی پلین تو قابلِ فہم تھی مگر نمبر ۸ کی ضرورت میری سمجھ میں نہ آئی۔ پہلے تو مجھے کھٹکا لگا کہ ماضنیوں کی فیاضانہ مہمان نوازی کے کسی قاعدے کے مطابق کہیں یہ حسین اور

لطیف لوگ میرے حرم میں نہ دیے جا رہے ہوں۔ (میرا یہ ڈر بے بنیاد نکلا۔) مجھے چند سال سے عورت فوبیا کا مرض ہے، اور اگرچہ میں جانتا ہوں کہ عورتیں غالباً بے ضرر مخلوق ہیں لیکن پھر بھی ان سے بے حد خائف رہتا ہوں۔ چھوٹی شماشو کی وفات کے بعد مجھے زندگی کے اس شعبے سے بالکل دلچسپی نہیں رہی اور اگرچہ اب بھی یوکناپوٹاوابا میں سالانہ بیوٹی پریڈ پر مجھے جج منتخب کیا جاتا ہے اور مجھے حسن کا ایک بہترین مبصر سمجھا جاتا ہے، خوبصورت سے خوبصورت نسوانی ٹانگیں، سڈول سے سڈول نسوانی ران میرے عمیق ترجذبات میں ہلچل مچانے سے قاصر ہیں۔ یہ شماشو ہی کی موت کے غم کا اثر ہے اور کسی قدر اس جنسیت زدہ پروفیسر فرائڈ کو پڑھنے کا نتیجہ۔ بہرحال یہ ایک نازک مسئلہ ہے جس پر بحث لمبی ہو جانے کا احتمال ہے کیوں کہ ڈاکٹر فرائڈ میری ایک کمزوری ہے!

جلوس روانہ ہوا۔ اسٹوڈی بیکر پیٹ میں گڑگڑائی اور پھٹپھٹاتی ہوئی اچھلنے والے مینڈک کی طرح پھدکنے لگی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ یہ اب تک اس حرکت کی بھی اہل تھی۔ سڑک کے دورویہ ایک ایک بازو کے فاصلے پر بری فوج کے نوجوان کھڑے تھے، بتوں کی طرح اٹینشن اور ساکت۔ میں نے ان کو گننا شروع کر دیا کیوں کہ میرا قیاس تھا کہ ماصنین کی ساری بری طاقت آج اسی مقصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہے اور ان کو شمار کر کے مجھے ماصنین کی فوجی طاقت کے متعلق صحیح اندازہ ہو جائے گا۔ صلح یا اتحاد کے معاہدے ہوں یا نہ ہوں، آنے والے مہمان کو کنفیوشس کے قول کے مطابق اپنے میزبان کے گھر میں آنکھیں کھلی رکھنی چاہییں اور یہ ٹوہ رکھنی چاہیے کہ وہ میزبان اپنی پلیٹیں اور چاندی اور سونے کے توڑے کون سی الماری میں رکھتا ہے تاکہ بعد میں جب مہمان کو اس کی ضرورت ہو تو وہ میزبان کو بلاضرورت تکلیف دیے بغیر ان تک پہنچ سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ معاشی غیر یقینی حالات میں ہمارے لیے اپنے دوستوں کی چیزوں پر گہری اور عمیق نظر ڈالنا ضروری اور ناگزیر ہے؛ اگر ہمیں آج اپنے دوست کے پاؤڈر بیٹ یا ٹائی کی ضرورت نہیں تو ممکن ہے کہ کل آن پڑے۔

ہم شترابا میں پوپو پالنہار چو کا مانیفو گیٹ سے داخل ہوئے جو مقامی میونسپل کارپوریشن نے میرے اعزاز میں سارجنٹ بزفر کی خفیہ تحقیقات کے مطابق صرف پچھتر روبل بارہ سینٹ کی لاگت سے بنوایا تھا۔ مجھے یہ بالکل پسند نہیں آیا اور ایسا لگا جیسا مجھے بھگتایا گیا ہے۔ دیکھنے میں یہ گو

کافی ٹھوس معلوم ہوتا تھا مگر تھا یہ دراصل سارے کا سارا پتلی لکڑی کی چقتیوں کا ڈھانچا، جس پر سستے ٹین کے پترے لگا دیے گئے تھے۔ (پھر بھی شاید اس کساد بازاری کے زمانہ میں یہ غنیمت تھا۔) پوپو گیٹ کے نیچے سے گزرتے وقت ہم پر اوپر سے پھول پھینکے گئے جو غلط ٹائمنگ کی وجہ سے بیشتر پیچھے ملا بکری پہلوان پر گرے۔

"یہ ہے فوفو گیٹ،" بڑے کابو نے پھر میرے نام کو ذبح کرتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کی آمد کی ہمیشہ یہاں مستقل یادگار رہے گا۔"

مگر جب تھوڑی دور آگے جا کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پوپو گیٹ غائب تھا۔ نہیں، گیٹ تو تھا مگر اس کو سڑک کے بیچ میں سلا دیا گیا تھا اور اس پر رسے چند اونٹوں سے باندھے جا رہے تھے۔ سارجنٹ بزفر کی تحقیقات سے پتا چلا کہ بعد میں یہی گیٹ آگے چل کر ہمیں "افضل تر کابو گیٹ" کے نام سے ملا اور اس سے آگے یہی گیٹ "پریمیئر بوشا گیٹ" تھا۔ (ہمارے قیام کے پچیسویں روز جب چیف آف بنگاؤ ہز بائی نس ریجھ مار پھپھوندی دار الخلافہ میں آیا تو اسی گیٹ کا اس سے "پھپھوندی گیٹ" کی حیثیت سے تعارف کرایا گیا۔)

میں نے ایک دکان میں ایک نوکدار ڈاڑھی والا آدمی دیکھا۔ دو گھنٹے کے بعد شہر کے مختلف حصوں میں سے گزرتے وقت ایک دکان میں مجھے اسی آدمی کی جھلک نظر پڑی۔

"یہ یہاں بھی ہے؟" میں نے بڑے کابو سے پوچھا۔

"کیا یور ایکسیلنسی؟" بڑا کابو میزبانہ خوش خلقی کی بہترین روایت میں چہکا۔

"یہ نوک دار داڑھی والا آدمی۔ تھوڑی دیر ہوئی میں نے اسے عطر بازار کی دکان میں دیکھا تھا، اور اب وہ یہاں موجود ہے"

"مگر یور ایکسیلنسی، یہ عطر بازار ہی تو ہے۔"

"اور وہ پہلا بازار؟ وہ بھی عطر بازار تھا؟"

"ہاں۔ عطر بازار میں سے ہم جلوس کو دوبارہ گزار رہے ہیں کیوں کہ یہ بازار ہمارے پاس ایسا ہے جس پر ہم سخت نازاں ہیں۔"

یہ عطر بازار کے وسط ہی میں تھا جب ہماری موٹر فیل ہو گئی۔ حالات فی الواقع نازک تھے اور

بڑے کابو کا بھاری بیلا چہرہ، جو تپسیا کے وقت مہاتما بدھ کے چہرے کی طرح پرسکون تھا، پسینے سے شرابور ہونے لگا۔ اس پسینے سے اس کے دلی اضطراب کا پتا لگتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد موٹر چلنے لگی۔ میں نے سمجھا کہ ٹھیک ہو گئی ہو گی، لیکن بعد میں میں نے محسوس کیا کہ انجن کی پھٹاپھٹ اور دھڑکن ناپید تھی۔ سارجنٹ بزفر نے، جو میرے بائیں ہاتھ پر بیٹھا تھا، میرے چٹکی لے کر مجھے پیچھے دیکھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے سیٹ پر سے اچک کر پیچھے دیکھا تو چاروں پہلوانوں بتیشہ، گھونگا، گونگلو اور ملابگڑی کو پیچھے سے موٹر کو دھکیلتے ہوئے پایا۔ انھوں نے یہ پتا نہیں لگنے دینا چاہا تھا کہ میری موٹر دھکیلی جارہی ہے۔ اب میں ایک عوامی آدمی ہوں، سارجنٹ بزفر جانتا ہے کہ میں سب آدمیوں کو برابر سمجھتا ہوں۔ میں نے اس وقت ایسی حرکت کی جو ڈپلومیٹک طریق سے کسی طرح جائز نہ تھی اور جس نے میرے میزبانوں کو قدرے پریشانی اور الجھن میں ڈال دیا۔ یعنی میں پیچھے سے نیچے سڑک پر چاروں پہلوانوں کے درمیان کود آیا اور ان کے ساتھ مل کر موٹر دھکیلنے میں شامل ہو گیا۔ میں نے پہلوانوں سے اصرار کیا کہ موٹر میں بیٹھ جائیں اب ہماری ان کو دھکیلنے کی باری ہے، اور میں نے بڑے کابو اور چھوٹے کابو کو بھی نیچے اتر کر میری مدد کو آنے کی دعوت دی۔ وہ چاروناچار نیچے اترے اور مجھ سے التجا کرنے لگے کہ میں پھر موٹر میں بیٹھ جاؤں۔

"نہیں نہیں،" میں نے کہا۔ "پہلوانوں کو موٹر میں چڑھانا ہو گا اور اگر میں اور تم، بڑا کابو چھوٹا کابو، اس کو دھکیل کر اتنا فاصلہ نہیں طے کریں گے جس قدر فاصلہ انھوں نے طے کیا ہے تو میرے خیال میں ہمارے باپوں کو (اگر وہ زندہ ہیں) شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیے۔" آخر پہلوانوں کو ہم نے چڑھ بیٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ پہلے ہی نیم راضی تھے۔ وہ چاروں ملا کر غالباً چار من فی پہلوان کی اوسط سے سولہ من تھے۔ سارجنٹ بزفر، یوکناپوٹاوابا کا سب سے موٹا آدمی، ساڑھے تین من تھا اور ان کے علاوہ ایک ڈرائیور تھا۔ ہم ان کو ڈھکیلتے ہوئے ایک فرلانگ تک لے گئے۔ راستے میں بڑے کابو کا سانس پھول گیا اور وہ ٹانگوں پر ایک بڑی انسانی دھونکنی سی لگنے لگا اور ایسی علامات ظاہر ہوئیں جن سے ہم کو گمان ہونے لگا کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ اس کو اسی وقت پریمیئر بوشا کی شستر کار میں ڈلوا کر ہسپتال کی طرف لے جایا گیا۔ اس کے بعد ہم جلدی ہی بڑے کابو کی قیام گاہ پر پہنچ گئے جسے یہاں گورنمنٹ ہاؤس کہا جاتا ہے۔

پریمیئر بوشا نے گورنمنٹ ہاؤس کے پھاٹک کے ستون پر چڑھ کر مجمعے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آج کا جلوس ختم ہوا۔ آپ صاحبان اپنے گھر جائیے اور اگر ہفتے کا راشن ابھی تک چل رہا ہے تو کھانا وغیرہ کھائیے۔ معزز مہمان بھی بھوکا معلوم ہوتا ہے۔ بڑے کابو کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے وہ نہایت افسوس ناک ہے، مگر جہاں تک میرا خیال ہے ورزش نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا اور ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ ابھی ہمیں داغِ مفارقت نہیں دیں گے۔ صدر جمہوریہ یوکناپوٹاوابا نے آج اپنے آپ کو ایک عوام کا آدمی اور ایک حقیقی اسپورٹس مین ثابت کر دیا ہے اور ہمارے پہلوانوں کی موٹریں آدھ میل تک دھکیل کر ان کی اور ان کے ذریعے ہمارے ملک کی جو قدر افزائی کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے جو اس موقعے کے شایانِ شان تھی۔ آپ سب لوگ کل صبح آٹھ بجے اٹھتے ہی پھر یہیں کا رخ کریں گے۔ کل ہم معزز مہمان کی ہمراہی میں افضل تر کابو اعظم کی سمادھی پر جا کر آنسو بہائیں گے، اور کل دفاتر وغیرہ بند رہیں گے۔ صدر جمہوریہ یوکناپوٹاوابا زندہ باد!"

"زندہ باد!" مجمع چلّایا۔

موٹا آدمی گھونسے سے ہوا کو چیرتا ہوا چلّایا "وزیرِ اعظم ماضنین پریمیئر بوشا!"

"جانے نہ دو!" مجمع چلّایا۔

چھوٹا پرندہ نما آدمی پھر بھاگ رہا تھا۔ اس دفعہ اس کے ایک ہاتھ میں استرا تھا اور دوسرے میں ایک نہایت اونچی ستواں ناک۔ مگر بعد میں سارجنٹ بزفر نے مجھے بتایا کہ استرا اور ناک دونوں اس کے اپنے تھے۔

رات کو گورنمنٹ ہاؤس کے دالان میں میرے اعزاز میں پرتکلف ڈنر دیا گیا جس میں ماضنین کے مشہور اور بڑے بڑے لوگ مدعو تھے۔ جنسِ مخالف کے کئی نمائندے بھی وہاں موجود تھے اور مجھے ان میں سے کئی ایک سے متعارف کرایا گیا۔ میں اپنی الجھن کو چھپانے کے لیے (جنسِ مخالف سے ارتباط سے میرے اعصاب پر ایک خاص قسم کا ناگوار اثر پڑتا ہے اور میرے ڈاکٹر نے مجھے ان سے زیادہ گفتگو کرنے سے احتراز کرنے کی ہدایت کر رکھی ہے) بار بار اپنی نسوار کی

ڈبیا نکال کر نسوار ناک میں چڑھاتا تھا اور چاروں طرف فراخدلی سے اپنی چھینکیں تقسیم کر رہا تھا۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سارجنٹ بزفر، جو ہمیشہ اپنی خاردار مونچھوں کی وجہ سے جھاڑیوں کی یاد دلاتا ہے، صنفِ مخالف میں بے حد مقبول ہو رہا تھا اور میں نے اسے دور بیٹھی ہوئی بھڑکیلی حواؤں کے درمیان بیٹھے اور شیخی بگھارتے ہوئے پایا۔ وہ ساتویں بہشت میں معلوم ہوتا تھا اور بار بار اپنی گھنی مونچھوں کو تھپکتا تھا۔ جس طریق سے بزفر اپنی موچھوں کو تھپکتا ہے وہ صنفِ مخالف کو بالکل موہ لیتا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے ان میں اس کی مقبولیت کا بڑا سبب یہی ہے۔ میرا تجربہ بھی یہی کہتا ہے کہ عورتیں اتنی خالی الذہن اور احمق ہوتی ہیں کہ ان کو جیتنے کے لیے اونچی فلاسفی، ادبی ذوق یا شاندار گفتگو اور یوسفانہ نقوش کوئی کام نہیں دیتے۔ ان کی کسی مرد کی پسند عموماً اس مرد کے مونچھیں تھپکنے یا اسی قسم کی کسی اور بے ہودہ سی عادت پر منحصر ہوتی ہے۔ میں یہ اس لیے نہیں لکھ رہا کہ مجھے سارجنٹ بزفر کی مقبولیت پر حسد یا رشک آتا ہے (سارجنٹ بزفر میرا پرسنل سیکریٹری اور ذاتی دوست ہے اور مونچھیں تھپکنے کے علاوہ اور بھی کئی زیادہ ٹھوس گن اس میں ہیں)۔

کھانا میز پر چنا گیا۔ میرے دائیں بائیں بڑے کابو اور چھوٹے کابو کی بیویاں تھیں ـــــ وہ دو طاقتور اور بڑے پیمانے پر بنی سنوری ہوئی عورتیں ـــــ اور تم سمجھ سکتے ہو کہ شروع سے ہی میں کتنا سہما ہوا ہوں گا۔ باہر باغ میں ٹھنڈک تھی اور بجلی کے پنکھے بھنبھنا رہے تھے، اس کے باوجود میں پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ کھانا بے حد پر تکلف تھا اگرچہ ہمارے ملک کی چہیتی چیزیں ـــــ پہاڑی کوّے کے گھونسلے کے تنکوں کا شوربہ وغیرہ ـــــ اس میں شامل نہ تھیں۔ میز چھری کانٹے سے لیس تھی مگر ان کو شاید یہ کسی نے نہیں بتایا تھا کہ یوکنا پوٹاوابا میں لوگ چاپ اسٹکوں سے کھاتے ہیں۔

میں نے زور سے سارجنٹ بزفر سے، جو سامنے بیٹھا تھا، پوچھا، "کیا تم اپنے ساتھ چاپ اسٹک نہیں لائے؟"

سارجنٹ بزفر کا حلق اور منہ روٹی اور بھنے ہوئے مرغ سے پُر تھا۔ اس نے گویائی کو ناممکن پا کر نفی میں سر ہلایا، اور میں اس کو اس غفلت پر ناخوشگوار باتیں کہنے کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہا

تھا کہ میرے میزبانوں نے میری مشکل بھانپ لی۔ ساری پارٹی میں بھگدڑ سی مچ گئی: "چاپ اسٹک! چاپ اسٹک!" چھوٹے کابو نے تجویز پیش کی کہ شہر میں ایک چینی دندان ساز فون فنگ فان رہتا ہے، وہ غالباً چاپ اسٹک سے چینی رسم کے مطابق کھانا کھاتا ہو گا، اس سے فوراً اس کی چاپ اسٹک منگوالی جائیں۔ اسی وقت آدمی وہاں دوڑائے گئے اور جب تک کہ وہ آئیں میں نے بڑے کابو کے صدارتی قلمدان کے ہاتھی دانت کے دستے والے دو قلموں سے چاپ اسٹک کا کام لیا۔ (چینی فنگ فان کے چاپ اسٹک نہیں ملے کیوں کہ اس نے ایک عرصے سے چاپ اسٹکوں سے کھانا چھوڑ دیا تھا اور پرانا جوڑا جو اس کے پاس پڑا تھا اس نے پچھلے سال اپنی دادی کی وفات کے بعد اس کے ساتھ دفن کر دیا تھا۔) کھانے کے بعد میں نے ہاتھی دانت کے ان دو قلموں کو اپنی جیب میں لگالیا تاکہ آئندہ میرے میزبانوں کو خواہ مخواہ پریشانی نہ ہو۔

ماضنین کے لوگوں کی اشتہائیں قابلِ رشک ہیں، مگر کھانے میں ان کے صدر بڑے کابو کو پچھاڑنا ممکن نہیں۔ اس ڈنر میں بھی اعزاز اسی کے ہاتھ رہا۔ اس نے ہر ایک کورس دوبارہ اور سہ بارہ منگوایا اور میٹھی ڈش کوئی چار بار؛ اور جب تقریباً سب کھانا کھا چکے تھے بڑے کابو کو ابھی اپنے چار کورسوں کو طے کرنا باقی تھا۔ (اس کی اشتہا کے متعلق بڑے بڑے قصے مشہور ہیں اور ماضنینی اکثر ایک دوسرے کے ساتھ یہ کاناپھوسی کرتے ہیں کہ بڑے کابو کا صبح کا ناشتہ چوراسی بھنے ہوئے گردوں پر مشتمل ہوتا ہے۔)

اس ڈنر میں ایک ذرا ناخوشگوار حادثہ رونما ہوا جس کو اس وقت بالکل دبا دیا گیا تھا ورنہ اس کے اثرات دونوں ملکوں کے تعلقات کے حق میں مہلک ہو سکتے تھے۔ سارجنٹ بزفر، جسے اپنے آپ کو ہر ملک کے رسم اور آداب میں ڈھال لینے کا اشتیاق رہتا ہے، چھری کانٹے کے استعمال پر مصر رہا۔ بھنے ہوئے مرغ کے ٹکڑے کو کاٹتے وقت، جو کچھ کچھ سخت تھا، اس نے کانٹے سے گوشت کے ٹکڑے کو زور سے کھینچ رکھا تھا اور چھری سے، جو قدرے کند تھی، گوشت کو کاٹنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ وہ خود حیران تھا کہ یہ ہوا کیوں کر... بہرحال جو واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا اس کی پلیٹ سے اس طرح چھوٹا جس طرح غلہ غلیل سے اور سامنے چھوٹے کابو کی بیوی کے منہ پر جا کر لگا۔ اگر چھوٹے کابو کے منہ پر بھی لگتا تو خیر ایسی زیادہ بری بات نہ

تھی ـــــ مردوں میں اسپورٹ اور شِوَلری کا مادّہ ہوتا ہے جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہو، مگر صنفِ مخالف کے معاملے میں وہ یہ شولری بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ چھوٹے کابو کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا۔ اس کی بیوی نے سارجنٹ بزفر کو قہر آلود قاتلانہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے اپنے پرسنل سکریٹری کی اس غلطی پر خفت میں اپنا منھ نیپکن میں چھپانے کی کوشش کی مگر وہ شخص جو سب سے زیادہ کم خفیف اور پشیمان تھا خود سارجنٹ بزفر تھا۔ وہ اپنی مونچھوں کو تھپتھپاتا رہا۔ وہ ایک دلکش طریقے سے جھک کر لیڈی کابو سے معذرت چاہ رہا تھا، اور اتنی عجیب اور گرگٹ کی مانند یہ عورتیں ہوتی ہیں کہ لیڈی کابو کی قاتلانہ نگاہیں فوراً نرم اور سارجنٹ کے لیے ماما کی محبت سے معمور ہو گئیں۔ (ماما کی محبت سے اس لیے کیوں کہ وہ سارجنٹ سے کم از کم پندرہ سال بڑی تھی اور اس عمر میں ایک عورت صرف اسی محبت کی ابل ۔ سکتی ہے۔)

کھانے کے بعد میرا ٹوسٹ بھنگ اور سوڈے سے پیا گیا اور رسمی اور جوشیلی تقریریں بھی کی گئیں۔ مجھے کچھ کچھ نیند سی آ رہی تھی اور گوشت اور چربی کے ان دو ابرام کے درمیان میرا سانس کچھ کچھ گھٹ رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو چوکنا اور ہوشیار رکھنے کے لیے بار بار اپنے جسم پر چٹکیاں لیتا تھا۔ ان تقریروں کے یہاں دینے سے کچھ مطلب حاصل نہ ہو گا۔ وہ حسبِ معمول اسی قسم کی تقریریں تھیں جو ایک سیاسی لیڈر کے دوسرے اجنبی ملک کے دوروں پر کی جاتی ہیں۔ اگلے چند بابوں میں مَیں ماضنین کی موجودہ کانسٹی ٹیوشن، اس کے لیڈروں کی کارگزاریوں اور لوگوں کی معاشی اور سماجی حالت کے بارے میں اپنے تاثرات درج کروں گا۔

تیسرا باب

جوماضنین کے دستورِ اساسی
اور حکومت پر تبصرہ ہے

ساٹھ سال پہلے جب افضل ترکابو اعظم نے اس مملکت کی داغ بیل ڈالی تو ماضنینوں نے ضرورت محسوس کی کہ ان کی ایک کانسٹی ٹیوشن ہونی چاہیے، چناں چہ ملک کے لیڈر دستور سازی پر کمر کس کے تیار ہو گئے۔ اس وقت ان کا خیال تھا کہ کم از کم پچاس سال میں وہ اس اہم کام کو انجام دے سکیں گے، اگرچہ یہ ان کی خوش فہمی تھی ـــــ بھلا دستور پچاس سال میں کبھی تیار ہو سکتے ہیں؟ اس کام کے لیے تو صدیوں اور قرنوں کا عرصہ چاہیے۔

افضل ترکابو اعظم کی وفات کے بعد ماضنینوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے۔ ایک تو مینیٹو میں یقین کرتا تھا اور معبدوں میں اس کی پرستش کرتا تھا؛ دوسرا فرقہ افضل ترکابو اعظم کو مینیٹو پر ترجیح دیتا تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ افضل ترکابو سیاسی اعتبار سے مینیٹو پر اب بازی لے گیا تھا۔ جب ماضنین میں اس کے لیڈر کوئی ایکٹ یا آرڈر نافذ کرنا چاہتے تو اس کی مخالفت کو ختم کرنے کے لیے افضل ترکابو کے کسی قول کا حوالہ دیتے۔ وہ باتیں بھی جو مرحوم لیڈر نے کبھی کہی تک نہ تھیں اس سے منسوب کی جانے لگیں۔ اور حکومت ہمیشہ راستی پر ہوتی، کیوں کہ افضل ترکابو نے ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کی مثال ۱۹۶۰ء میں کھلی ہوا کے عاشقوں کی شورش سے دی جا سکتی ہے۔ جب ان کا مجمع "ہمیں روٹی دو!" کا نعرہ لگاتا ہوا اُس وقت کے وزیرِ اعظم کے مکان پر پہنچا تو اس مدبّر نے اپنے مکان کے دروازے کے ستون پر چڑھ کر مجمعے کو شرم دلائی کہ وہ روٹی مانگ کر افضل ترکابو کے بھوت کو دکھ پہنچا رہے ہیں اور ان کو اس ننگ اور بھوک کی میراث پر قانع بلکہ نازاں ہونا چاہیے اور اس وقت جب کہ مملکت اتنے نازک دور سے گزر رہی ہے ایسے تقاضوں سے لیڈروں کی محنت سے حاصل کی ہوئی اور کمائی ہوئی نیندوں میں خلل نہیں ڈالنا چاہیے۔" چناں چہ مجمع "افضل ترکابو زندہ باد! وزیرِ اعظم زندہ باد!" کے نعرے لگاتا ہوا منتشر ہو گیا تھا۔

وزیرِاعظم کی اوپر کی تقریر اور بعد کے لیڈروں کی تقریروں سے ایک اور بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پچھلے ساٹھ سال سے ماضنین ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، اگرچہ ان میں سے کوئی یہ نہیں بتاتا کہ یہ نزاکت کس نوعیت کی ہے اور کیا یہ صورتِ حال ابدی ہے؟

سچی بات یہ ہے کہ جس وقت ماضنین کے لیڈروں نے دیکھا کہ وہ لوگوں پر افضل ترکابو، مینیٹو اور "نازک دور" کی مدد سے حکومت کر سکتے ہیں تو انھوں نے کسی دستورِ اساسی کے بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی؛ گو لوگوں کی اس امید کو پختہ کرنے کے لیے اُس وقت کے چھوٹے کابو نے مجلس میں دستور کا دیباچہ بھی پیش کیا جس میں ان بڑے بڑے ارکان کا ذکر کیا گیا جس پر ماضنین کے مستقبل کے دستور کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اس دیباچے کے ایک صفحے میں مینیٹو کا نام پچیس دفعہ گنا گیا ہے اور دوسرے صفحے پر افضل ترکابو کو چھبیس دفعہ یاد کیا گیا ہے۔ اب تک ماضنین کے کئی لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دیباچہ مینیٹو اور افضل ترکابو کے بھوت نے مل کر لکھا ہے اور اس لیے یہ الہامی صحیفے کا درجہ رکھتا ہے۔ ماضنین کے کئی حکما اور اطبا نے افیم اور چرس کی عادت کے توڑ کے لیے اس دیباچے کو اپنے مریضوں کو استعمال کرایا ہے اور یہ ان دونوں سے کئی حالتوں میں زیادہ بہتر، موثر اور مسکّن ثابت ہوا ہے۔

اس دیباچے کی رو سے ماضنین کے مستقبل کے کانسٹی ٹیوشن کے بڑے ستون اور ارکان اس طرح معلوم ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ ماضنین میں سب آدمیوں کو برابر قرار دیا گیا ہے۔ خواہ وہ مزدور ہوں، سڑکوں کے بھکاری ہوں، دفتروں کے کلرک ہوں یا کروڑپتی ہوں، دستور کی رو سے سب برابر ہیں، اور مینیٹو کی رو سے بھی وہ سب برابر ہیں۔ اس رکن کو اکثر کھلی ہوا میں رہنے والوں کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے اور سنا گیا ہے کہ ان میں سے کئی یہ معلوم کر کے کہ وہ ایک کروڑپتی یا بڑے کابو کے برابر ہیں، بے حد تسکین پاتے ہیں۔

دوسرا رکن یہ ہے کہ گو سب آدمی برابر ہیں، چند چنیدہ لوگ دوسروں سے زیادہ برابر ہیں۔ اس زمرے میں غالباً بڑا کابو اور چھوٹا کابو اور مینیٹو کے دوسرے چہیتے چیلے شامل ہیں۔ اس رکن کی تشریح نہیں کی گئی۔

تیسرا رکن یہ ہے کہ ماضنین میں گفتار، کردار، رفتار کی ہر طرح آزادی ہے بشرطے کہ اس

میں اوپر درج کیے ہوئے چنیدہ لوگوں اور ان کی کارگزاریوں پر اعتراض نہ کیا جائے۔ یہ چنیدہ لوگ قدرتاً نازک طبع واقع ہوئے ہیں اور ذرا سی چوٹ برداشت نہیں کر سکتے۔ مملکت کے وہ لوگ جو ان کا دل دکھاتے ہیں فوراً حکومت کو پیارے ہو جاتے ہیں اور خاص مہمان خانوں میں مستقل طور پر رہائش پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کردار، گفتار وغیرہ کی مکمل آزادی جس قدر ماضنین میں ہے شاید دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں۔ اگر تمھارا گھر نہیں تو تم کھلی ہوا میں رہنے والوں میں شامل ہو کر سڑک کے عین وسط میں رہ سکتے ہو۔ تم کو اپنی بیوی کے ساتھ سونے کی بھی پوری اجازت ہے۔ اگر روٹی نہیں ملتی تو سڑک کے کنارے کوڑے کرکٹ میں سے جھوٹی غلاظت کھا سکنے کی آزادی تمھاری ہے۔ مگر سب سے بڑی آزادی فاقے سے مرنے کی آزادی ہے۔ تمھارا دل چاہے تو ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ، دل چاہے تو کپڑے اتار کر ننگے ہو کر عطر بازار کی سیر کرو۔ (یہ نیوڈِزم یا برہنگی کا کلٹ اب یہاں زوروں پر ہے اور نیوڈسٹوں کی تعداد روز بروز ترقی پر ہے۔)

چوتھے رکن میں ماضنینیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ یاد رکھیں کہ وہ دنیا کی چونسٹھویں بڑی طاقت ہیں اور یہ کہ ہینیٹو کے ماننے والے ممالک میں ان کا نمبر دوسرا ہے۔ چناں چہ ماضنینی اس بات کو ہمیشہ وقت بے وقت دہراتے رہتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماضنین کے لیڈر ہینیٹو پر اتنا ہی یقین رکھتے ہیں جتنا وہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ میرے خیال میں ہینیٹو کے نام کو سیاسی مصلحت پر رگیدا جاتا ہے ورنہ چھوٹا کا بو اور وزیرِ اعظم شاذونادر ہی معبد میں جاتے ہیں۔

ہینیٹو کے بُت کے سات چہرے اور چودہ بازو دکھائے جاتے ہیں۔ ایک چہرہ ایک خوں خوار، غصے والے شیر کا ہے؛ دوسرا ایک معصوم شوخ بچے کا؛ تیسرا ایک شقی القلب بوڑھے کا ہے جو گویا لوگوں کو ہنستے دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا؛ چوتھا ایک مکار لومڑی کا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری مختلف صفات ہینیٹو کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ماضنین میں بیشتر سمجھ دار لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ ہینیٹو محض ایک بُت ہے اور ایک بوگی جو ان کے مورثوں کی جہالت اور خوف کی پیداوار ہے؛ مگر اس کے باوجود یہ بات کھلم کھلا کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ ماضنین کے عوام کے لیے یہ بوگی ایک حقیقی بوگی ہے اور ان کی عقیدت کا اس سے پتا چلتا ہے کہ جب موقع ملتا ہے

وہ اس بت پر غیر مینٹیٹیوں کو بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ غیر مینٹیٹیوں کو پکڑ کر اس بت کے سامنے لایا جاتا ہے اور ایک راہب کھڑا ہو کر اس بت سے خطاب کرتا ہے: "تیرے نام پر اے مینیٹو، ہم ان تیرے وجود سے انکار کرنے والوں کے کان کاٹتے ہیں!" اور کان کاٹنے کے بعد راہب اسی تقریر میں ایک ایک عضو کا نام لیتا جاتا ہے اور جس جس عضو کا نام لیا جائے وہ کاٹ دیا جاتا ہے۔

ماصنینیوں کو یقین ہے کہ ان کی روزانہ زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مینیٹو کی منشا کے مطابق ہوتا ہے اس لیے بڑبڑانا بے فائدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ لیڈر حقیقتاً مینیٹو سے زیادہ خائف نہیں اور نہ ہی اس کی پروا کرتے ہیں، مگر انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ ان کو طاقت کے گھوڑے پر بٹھائے رکھنے اور ان کی ہر حرکت اور عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مینیٹو کا نام جادو ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے، افضل ترکابو قومی اور سیاسی زندگی میں اب مینیٹو سے زیادہ موثر ہو چلا ہے۔ اس کی سمادھی شترابا سے چند میل پرے ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنائی گئی ہے۔ اوپر منقش چھت سے سمادھی کے اوپر ڈوریوں سے اس کی روزمرہ کے استعمال کی چیزیں لٹکائی گئی ہیں: اس کی عینک، اس کے مصنوعی دانت، اس کا گلوبند اور اس کا انڈرویئر وغیرہ۔ تمام زائرین وہاں جا کر ان چیزوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ وہ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور اولاد کے لیے التجا کرتے ہیں۔ ایک گروہ تو یہاں تک یقین کرتا ہے کہ اگر افضل ترکابو نہ ہوتا تو مینیٹو بھی نہ ہوتا، اور سارجنٹ بزفر کی تحقیقات سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نئے کلٹ کے موید ان گزشتہ سالوں میں کافی بڑھ گئے ہیں۔ ماصنین کے وزرا بھی ہر صبح دفاتر وغیرہ جانے سے پہلے یہاں ایک دفعہ آ کر پھول چڑھاتے اور ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں اور اپنے آپ کو اپنی نیکی اور پارسائی پر دل ہی دل میں مبارکباد دیتے ہیں۔ عوام بھی جب اپنے وزرا کی قابلیتوں اور خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی افضل ترکابو کی سمادھی پر حاضریوں کی تعداد کو ان کی صفات کے موازنے کے وقت بڑی اہم حیثیت دیتے ہیں۔ مثلاً اگر وزیرِ جہالت روزانہ دو دفعہ سمادھی پر جاتا ہے اور وزیرِ مالیات صرف ایک بار، تو عوام کے نزدیک وزیرِ جہالت زیادہ قابل اور سراہنے کے لائق ہے۔ مگر یہاں بھی مجھے شک ہو چلا ہے کہ عوام میں زیادہ سمجھ دار لوگ اس الو بنائے جانے کے مضحکہ خیز کھیل کی "صفائیوں" کو پانے لگے ہیں۔

ماضنینیوں میں جو مجھے حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی اس کی سب سے بڑی وجہ میرا افضل ترکابو کی سمادھی پر صحیح زائرانہ عقیدت مندی کا انداز تھا۔ اپنے آنے کے دوسرے روز ہی یہاں کی رسم کے مطابق مجھے افضل ترکابو کی سمادھی پر لے جایا گیا۔ ان سب عقیدت مندیوں کی مجھ سے کوئی توقع نہیں رکھتا تھا؛ میرے لیے وہاں پھول چڑھانا ہی کافی تھا۔ مگر میں نے اوپر کے طور سے گویا ماضنینیوں کا دل ہی جیت لیا اور باقی چوبیس دنوں میں جو میں نے گورنمنٹ ہاؤس میں گزارے، ماضنینیوں نے مجھ پر ثابت کر دیا کہ اپنے افضل ترکابو اور اپنے سگے باپ کے بعد اگر انھیں کسی آدمی سے محبت اور عشق تھا تو وہ میں تھا۔ خصوصاً صنفِ مخالف کے نمائندے اس عشق کے اظہار میں پیش پیش تھے اور ایک دفعہ ازنگہ بڑنگہ کے مقام پر چار پانچ عورتوں نے مجھے زبردستی چوم لیا، اور اگر سارجنٹ بزفر مداخلت نہ کرتا اور اپنی مونچھیں تھپتھپا کر ان کا دھیان اپنی طرف نہ کر لیتا تو وہ مجھ سے ایسی حرکتیں کرانے میں کامیاب ہو جاتیں جن کی میں نے اپنی بیوی شماشو کی وفات کے بعد سے قسم کھا رکھی ہے۔

یہاں کے باشندوں کی معاشی اور سماجی زندگی کے بارے میں سارجنٹ بزفر کی تحقیقات سے مجھ پر حقیقت کھلی ورنہ مجھے تو وہی دکھایا جاتا تھا جو بڑے کابو اور اس کے چیلے چانٹوں نے میرے لیے تیار کر رکھا تھا۔

عوام کا آدمی ہونے کی وجہ سے میں ہمیشہ جلوس اور بینڈ اور شاندار ضیافت کے پس پردہ عام آدمیوں کے دل کی دھڑکن سننے کے لیے بے تاب رہتا ــــ وہ کیا کر رہے ہیں؟ وہ کیسے جی رہے ہیں؟ یہ ضیافت جو میں اڑا رہا ہوں یہ کتنے بھوکے آدمیوں کو کتنے ہفتوں تک فاقہ کرنے سے بچا سکتی ہے؟ عجیب سوال ــــ تم کہو گے. مگر میرے والدین سخت غربت میں رہتے تھے اور میں فاقوں کی تکالیف سے ناآشنا نہ تھا۔

شترابا میں اب تیس لاکھ آدمی بستے تھے۔ آدھے اونچے "آسمان کو چھونے والوں" میں رہتے تھے، تیس تیس منزلہ اونچے مکان۔ میں نے ایک دفعہ گورنمنٹ ہاؤس کے کلاک ٹاور سے نیچے اس شہر کے نظارے کا فوٹو لیا تو مجھے یہ مکان ان کے مکینوں کی طرح حقیر نظر آئے؛ بالکل شہد کے چھتوں کی طرح بلکہ خوفناک پھندوں کی مانند جو اپنے پھنسے ہوئے شکاروں کو کبھی بھی بچ کر نہ جانے

دیں گے۔ انسانوں کی زندگیاں کتنی چھوٹی، بے وقعت اور حقیر ہوتی ہیں۔ وہ رواج اور رسم کی بیڑیاں جو وہ خود اپنے ہاتھوں پہن لیتے ہیں وہ کبھی نہیں اترتیں۔ وہ چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہوں کی طرح جیتے اور مرتے ہیں۔

یہ انسانوں کے ساتھ ہمیشہ، ہر ایک بڑے شہر میں ہوتا ہے مگر شترابا میں انسانوں کی لاحاصلی کا احساس زیادہ قوی ہوتا ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس شہر میں ماضنین کے باشندوں کا دل اصلی انسانی ہمدردی کے دودھ سے خالی ہے؛ کہ وہ صبح سے شام تک تمباکو اور چائے کی مدد سے اپنے ضمیر کو گھوٹتے رہتے ہیں؛ کہ ان کے ضمیر اتنے ہی پتھریلے اور سنگلاخ ہیں جتنے وہ مکان جن میں وہ رہتے ہیں۔

اور اس شہر میں کوئی حقیقی خوشی نہیں۔ سَو میں سے ننانوے آدمی بے جان ہیں جس طرح کوئی خوفناک غم ان کو گھن کی طرح کھاتا جاتا ہو اور نیچے سے زندگی کے سرچشموں کو خشک کر رہا ہو۔ بھوتوں کا شہر! خود بڑا کابو اور چھوٹا کابو جن کو اپنی عیاری پر خوش ہونا چاہیے، تندرست معلوم نہیں ہوتے۔ بڑا کابو ایک بام مچھلی کی طرح پھولا ہوا ہے اور چھوٹے کابو کے چہرے پر خون کا ایک قطرہ نہیں۔ وزیراعظم ان آدمیوں میں سے ہے جس کے لیے تیز ہوا ایک خطرہ ہے اور وہ چھڑی کی طرح پتلا ہے۔ کم از کم ان لوگوں کو تو خوش اور تندرست ہونا چاہیے۔ ماضنین کا مرض کیا ہے؟ وہ کیا روگ ہے جو اس ساری قوم کا روگ ہے؟

یہ آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والے کچھ آرام سے رہتے ہیں کچھ تنگی سے۔ ان میں تین درجے ہیں: فارغ البال، متوسط الحال اور متوسط الحال تر۔ مگر ان کے علاوہ ایک اور کلاس بھی ہے جس کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کھلی ہوا کے عاشق ہیں۔ اس گروہ کے ممبر بیس لاکھ ہیں اور وہ کھلی ہوا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ شہر کی سڑکیں، چورا ہے، پل ان کے اپنے ہیں۔ کھلی ہوا سے ان کی محبت قابلِ تعریف ہے اور ان لوگوں کی شعریت کی حس پر دال؛ مگر جب وہ بارش اور سردی میں بھی وہیں پڑے رہتے ہیں تو میرے خیال میں یہ قدرت کی چیزوں سے محبت کے جذبے کو زیادہ دور لے جانا ہے۔ یہ لوگ بھوکے ہیں اور مہاتما بدھ کے بھکشوؤں کی طرح زبردستی بھیک کا تقاضا کرتے ہیں۔ کئی ان میں سے نیوڈسٹ اور نیچرلسٹ ہیں۔ بہت سے انسانوں کی

صحبت پر مریل کتوں کی صحبت کو ترجیح دیتے ہیں۔

خدا جانے یہ لوگ کیوں دوسرے شریف شہریوں کی زندگی کے در پے آزار ہیں؛ کپڑے وغیرہ کیوں نہیں پہنتے؛ روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں کھاتے؛ بھیک مانگتے ان کو شرم کیوں نہیں آتی؛ محنت مزدوری کیوں نہیں کرتے؛ شہر کے وسط میں جو بڑا جوہڑ ہے اس میں ڈوب کیوں نہیں مرتے۔

حکومت فی الواقع ان لوگوں کو ماضنین کے چہرے پر ایک دھبا سمجھتی ہے۔ پہلے جب کھلی ہوا کے عاشقوں کی تعداد کم تھی، حکومت کا خیال تھا کہ وہ خود بخود بیماریوں اور سردی سے بینیٹو کو پیارے ہو جائیں گے، مگر ۲۰۰۰ء میں ان کی تعداد اس خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے کہ وہ ایک سیاسی خطرہ بن رہے ہیں۔ سارجنٹ بزفر کی تحقیقات سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ ۲۰۰۱ء میں اُس وقت کے بڑے کابو نے محکمۂ محبت کو ہدایات دیں کہ ان لوگوں کو روٹی میں زہریلی گولیاں ڈال کر کھلائی جائیں۔ اس سے پہلے حکومت شہر کے غلیظ کتوں کو ختم کرنے کے لیے یہی تدبیر اختیار کر چکی تھی اور اسی مہم کی کامیابی نے حکومت کو یہ مفید طریقہ سجھایا تھا۔

مگر کھلی ہوا کے عاشق چالاک ثابت ہوئے۔ انھوں نے زہریلی روٹیاں کھانے سے انکار کر دیا اور آخر ان کی بغاوت نے خطرناک صورت اختیار کر لی جس کو بصد دقت چند معبد کے راہبوں اور منتریوں نے بینیٹو اور افضل تر کابو کا واسطہ دے کر فرو کیا۔ شورش کرنے والوں کو یہ بتایا گیا کہ موجودہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانا، بلکہ روٹی تک کا تقاضا کرنا، بینیٹو سے انحراف کرنا ہے اور بینیٹو سخت جابر، سخت منتقم المزاج ہے۔

بزفر نے مجھے بتایا ہے کہ شہر کے بعض شوقین امیرزادوں نے شام کے وقت تفریح کے لیے ایک نئی دل لگی ایجاد کر رکھی تھی۔ وہ شام کے وقت وسطی جوہڑ پر، جہاں بے شمار کھلی ہوا کے عاشق بیٹھتے تھے، بگھیوں میں جاتے اور ان کو دکھا دکھا کر روٹی کے ٹکڑے پھینکتے اور ان کا تماشا کرتے۔ کیا تم نے کبھی ایک بڈی کے ٹکڑے پر کتوں کو گر کر لڑتے دیکھا ہے؟ وہی حالت اس وقت ان کھلی ہوا کے عاشقوں کی ہوتی۔ وہ روٹی کے لیے ایک دوسرے پر چھینا جھپٹی کرتے، ایک دوسرے کے بال نوچتے، ایک دوسرے کو حیوانوں کی طرح دانتوں سے کاٹتے۔ امیرزادوں کے

لیے یہ مشغلہ بے حد دل بہلانے والا سمجھا جاتا ہے۔

ماضنین ایک جمہوریت ہے۔ کم از کم جس وقت اس کے بانی افضل تر کابو اعظم نے اس کو باپر بو بُروں سے ورثے میں پایا تھا اُس وقت اس کا یہی ارادہ تھا کہ اس کو جمہوریت بنایا جائے۔ یہ اس کی زندگی میں ممکن نہ تھا کیوں کہ افضل تر کابو اپنے جیتے جی ذرّہ بھر طاقت لوگوں کو دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کے بعد جس بڑے کابو کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آئی وہ بھی جمہوریت کا شیدائی تھا، لیکن وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر اس نے بھی لوگوں کو حکومت میں شریک کرنے سے احتیاط برتی۔ لوگوں کو البتہ اخباروں اور محکمۂ دروغ بیانی کے ذریعے یہ بار بار جتایا گیا کہ ماضنین ایک جمہوریت ہے، یہاں تک کہ وہ فی الواقع اس پر یقین کرنے لگ گئے۔ بڑا کابو اور چھوٹا کابو اور وزیرِ دروغ بیانی اکثر تخلیے میں لوگوں کی سادہ لوحی پر ہنسا کرتے اور اس کو ایک پُرلطف مذاق سمجھتے اور ایک دوسرے کی پیٹھیں ٹھونکتے۔

اگر تم ایک بہت بڑے جھوٹ کا بار بار اعادہ کرتے رہو تو لوگ اس پر یقین لے آتے ہیں — گوئبلز نے ان کو یہ سکھایا تھا۔

افضل تر کابو کی وفات کے وقت تک صرف ایک بااقتدار پارٹی تھی۔ اس کا نام سفید پارٹی تھا۔ دوسری کوئی سیاسی جماعت برداشت نہ کی جا سکتی تھی۔ سفید پارٹی حکومت کی پارٹی تھی۔ اس پارٹی کا سرپرست خود مینیٹو تھا اور اس کی مخالفت کرنا گویا خود مینیٹو کی توہین کے مصداق تھا۔ اس وقت چند جماعتیں اور بھی تھیں مثلاً اڑنگہ بڑنگہ کی ہری پارٹی۔ اس کے ممبروں نے دال گلتی نہ دیکھ کر اپنی وردیاں تانگہ ڈرائیوروں کو دے دیں اور خود کو سفید بتانے لگے۔ افضل تر کابو کی وفات کے بعد ایک اور سیاسی پارٹی وجود میں آئی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سفید پارٹی میں آپس میں اختلافات پڑ جانے سے اس کی دو پارٹیاں بن گئیں۔ اس دوسری پارٹی کا نام سرخ جماعت تھا۔ کئی سال تک یہ دونوں جماعتیں ماضنین کی سیاسیات پر حاوی رہیں۔ کبھی ایک کا زور ہوتا کبھی دوسری کا، مگر حقیقتاً ان دونوں میں کوئی خاص مثالی فرق نہ تھا۔ شہر میں شہریوں کی دو پارٹیاں بن گئیں؛ ایک جو سرخ کہلاتے تھے اور دوسرے جو سفید۔ اسی طرح بعض مصنف سرخ تھے اور بعض سفید۔ پانچ سال گھوڑا گاڑی والے سرخ تھے اور موٹر ٹیکسی والے سفید، اور اس سے اگلے پانچ

سال گھوڑا گاڑی والے سفید ہو گئے اور موٹر ٹیکسی والے سرخ۔ عطر بازار میں سرخوں اور سفیدوں میں لڑائی اور سر پھٹول ہو جانا روزمرہ کا واقعہ تھا۔

۱۹۸۰ء کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اس وقت کا بڑا کابو، جو سفید تھا، شتر ابا کے گھڑدوڑ کے میدان میں دوڑ دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے ایک سُرخی مائل رنگ کے گھوڑے کو آگے نکلتے ہوئے پایا تو اس سے نہ رہا گیا اور وہ اپنی کرسی سے اٹھ اٹھ کر چلّانے لگا: "اس سرخے کو پیچھے کرو!"

ایک دوسرے کے خلاف اس تعصب کے باوجود ماضنینی قانونی طور سے دونوں پارٹیوں میں کسی ایک کے ممبر ہو سکتے تھے، بلکہ لازمی تھا کہ وہ ایک پارٹی سے ضرور متعلق ہوں۔ بعض ایسے بھی تھے جو دونوں جماعتوں کے ممبر تھے؛ وہ گرگٹ کہلاتے تھے اور ہر حالت میں محفوظ ہوتے تھے۔ اس قانون سے مستثنیٰ کھلی ہوا کے عاشق تھے۔ وہ کسی پارٹی کے ممبر نہ بن سکتے تھے اور نہ ہی الیکشنوں میں ووٹ دینے کے حقدار تھے، کیوں کہ وہ شہری حقوق سے محروم تھے۔ لیکن عرصے سے انھوں نے حکومت میں دلچسپی لینا بھی چھوڑ دی تھی۔ سارجنٹ بزفر نے جب ان کا سیاسی علم جانچنے کے لیے ان میں سے ایک سے پوچھا: "تمھارا صدر اس وقت کون ہے؟" تو وہ بالکل بوکھلا گیا اور سوچ سوچ کر کہنے لگا: "پچھلے سال تو بینیٹو تھا؛ غالباً اس سال بھی وہی ہو گا کیوں کہ وہ فطرتاً دائمی ہے۔"

حکومت ظاہراً اور دیباچے کی رو سے ملک کو پیچھے لے جانے کی مدعی ہے۔ حقیقتاً یہ بڑے کابو، چھوٹے کابو، وزیراعظم وغیرہ کی ایک سازش ہے۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، وہ ہر حالت میں طاقت اپنے ہاتھ میں رکھنے کے متمنی ہیں اور ان کے خیال میں اس مقصد میں کامیابی کا موقع اُس وقت زیادہ ہے جب ان کے محکوم جاہل اور وقت سے پیچھے ہوں۔ اس سازش کے جال کی مکڑی وزیرِ جہالت ہے جو وزیرِ جھوٹ کے ساتھ کابینہ کی اہم ترین شخصیت ہے۔

ملک کے بعض نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے حکمران بوڑھے اور احمق لوگ ہیں جو میز کی کشتیوں کے دھنی ہوں تو ہوں مگر ان سے ملک کے مسائل پر نئی اور باغیانہ اپروچ ممکن نہیں۔ وہ چوراسی گردے کھا سکتے ہیں، تین گھنٹے تک دھواں دھار تقریر کر سکتے ہیں، مگر آگ ان میں بجھ چکی ہے۔ میں نے پڑھنے والوں کو بڑے کابو، چھوٹے کابو اور وزیراعظم کی جھلکیاں دکھائی ہیں؛ باقی

وزرا سے بھی میں ملا ہوں اور ان سے میری باتیں بھی ہوئی ہیں اور میں اگلے صفحات میں ان کے متعلق اپنے تاثرات پیش کروں گا۔

وزیرِ جھوٹ اور ایف ایل پٹاخا

وزیرِ جھوٹ ایک چھوٹا سا منحنی آدمی ہے اور خرگوش اور چوہے کے میل کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کان لمبے لمبے ہیں اور اس کے چہرے پر ایک مکارانہ، لومڑیانہ سا تاثر رہتا ہے۔ وہ ماضنین کا گوئبلز ہے اور کئی لحاظ سے کابینہ کا اہم ترین شخص۔ وہ ہمیشہ تاریک رنگ کا چشمہ پہنے رہتا ہے مگر اس کے علاوہ اس کے پاس کئی اور رنگ کے چشمے ہیں ــــ پیلے، ہرے، لال ــــ اور اس کا فیصلہ کہ وہ کسی خاص دن کون سے چشمے میں سے دنیا کو دیکھے، کابینہ کی پوری مجلس کرتی ہے۔ ویسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگرچہ ماضنین کے بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں، حکمران حلقوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ وزیرِ جھوٹ کی دونوں آنکھیں پتھر کی ہیں۔ وہ اندھا ہے۔

لیکن وہ مادرزاد اندھا نہیں ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جب وہ کالج میں پڑھتا تھا تو اس نے قوسِ قزح پر ایک حسین ترین نظم لکھی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ نظم لکھنے سے پہلے اس نے قوسِ قزح کو ضرور دیکھا ہوگا ــــ یا دیکھے بغیر کوئی قوسِ قزح پر نظم لکھ سکتا ہے؟

اب اندھا ہونے کی وجہ سے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا؛ مثلاً وہ کھلی ہوا کے عاشقوں کو نہیں دیکھ سکتا، اور میرے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران اس نے اس قسم کا ایک بھی اشارہ نہیں دیا جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ ان کی موجودگی سے آگاہ ہے۔ اس کے برعکس بڑا کابو اور چھوٹا کابو اور وزیرِاعظم اس کو وہ چیزیں بتاتے رہتے ہیں جو اسے دیکھنی چاہییں اور جو وہ سرکاری طور پر دیکھتا ہے؛ اس لیے اندھا ہونا اس کے لیے اتنی بڑی محرومی نہیں جتنا کہ اسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ سوائے کابینہ کے ممبروں کے بہت تھوڑے لوگ اس کی اس نادیدنی سے واقف ہیں۔

وزیرِ جھوٹ ماضنین میں دودھ اور شہد کی نہریں دیکھتا ہے۔ اس کا ناشتہ دودھ کے گلاس اور ایک شہد لگے ہوئے ٹوسٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ بینیٹو اور افضل تر کابو کے معاملے میں بے حد نازک مزاج واقع ہوا ہے اور ان کے خلاف ایک حرف کو غداری سمجھتا ہے۔ وہ اب روزانہ صبح معبد

میں جا کر بینیٹو کے پجاریوں کے ساتھ کورس میں بھجن گاتا ہے (میرا مطلب ہے، اگر اس قسم کی رینگتی ہوئی آواز کو گانا کہا جا سکتا ہو)۔ اس کو وہ اپنے اہم ترین فرائض میں سے سمجھتا ہے اور معبد کے خاص پجاریوں کے تتبع میں اب اس نے اپنا سر اور داڑھی مونچھ منڈوا دی ہے جس سے عوام میں پہلے سے زیادہ مقبول اور ہر دلعزیز ہو گیا ہے، اگرچہ وہ حقیقی طور پر کبھی عوام کے دلوں کو نہیں جیت سکا۔

مگر وزیرِ جھوٹ وہ بے پناہ اور خوفناک طاقت کبھی حاصل نہ کر سکتا جو اس کو حاصل ہے اگر اسے "شترا باٹائمز" کے ایڈیٹر مسٹر ایف ایل پٹاخا کا تعاون حاصل نہ ہوتا۔ ایف ایل پٹاخا، جاننے والے حلقے جانتے ہیں، اس مملکت میں سب سے زیادہ بارسوخ شخص ہے۔ وہ تخت کے پیچھے اصل ڈوری کھینچنے والا ہے۔ وہ "شترا باٹائمز" کا ایڈیٹر ہونے کے علاوہ حکومت کا آفیشل چیف ناصح بھی ہے اور کابینہ کی آئندہ پالیسی، سفیروں کی تعیناتی وغیرہ پر اس کے مشورے ہمیشہ بلا چوں و چرا قبول کر لیے جاتے ہیں۔

ایف ایل پٹاخا اسم بامسمّیٰ ہے۔ ایک چھوٹا سا گھٹے ہوئے جسم کا بونا آدمی؛ وہ ایک انسانی ڈائنمو ہے اور اپنے مشہور ایڈیٹوریل نیلے تھوتھے میں بجھے قلم سے لکھتا ہے۔ اس کے ایڈیٹوریل بینیٹو اور افضل تر کابو کی تعریف اور توصیف سے شروع ہوتے ہیں اور اس کے بعد پہاڑی چوہوں کے خلاف حد درجہ نفرت کے الفاظ پر ختم ہوتے ہیں۔ پہاڑی چوہے ایک ہمسایہ مملکت ریٹ لینڈ کے باشندے ہیں جن سے ماضنینوں کے تعلقات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔ یہ پہاڑی چوہے بھی ویسے تو بینیٹو کو پوجتے ہیں مگر ان کا بینیٹو عورت ذات ہے اور وہ اس کو مس بینیٹو کہتے ہیں۔ ایف ایل پٹاخا کھلی ہوا کے عاشقوں کی بغاوتوں کو اکثر سخت الفاظ میں مطعون کر رہتا ہے، اور وہ روٹیوں میں زہریلی گولیاں ڈال کر ان کو کھلانے کی تجویز بھی دراصل اسی کے دماغ کی اختراع بتائی جاتی ہے۔

وزیرِ جھوٹ اور پٹاخا کے اشتراک کا (یہ اشتراک صرف پالیسی میں ہے اور اس حد تک جب تک یہ دونوں آدمیوں کے ذاتی مفاد کے لیے ممد ہو) یہ نتیجہ ہوا ہے کہ عوام اب اس بات کے جاننے کے لیے اتنے بے تاب نہیں رہے کہ ماضنین کے اندر کیا ہو رہا ہے جتنے اس بات کے کہ

ماصنین کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ "شترا باٹائمز" کے اداریوں کی وجہ سے پہاڑی چوہوں کے خلاف ان کا صفرا ہمیشہ اُبلتا رہتا ہے اور وہ اپنی ساری ناکامیوں، بھوک اور ننگ کی ذمہ داری چوہوں کے سر تھوپتے ہیں۔ وہ فی الواقع یہ یقین کرنے لگ گئے ہیں کہ ان کے لیڈر نیک سادھو منش لوگ ہیں جن کا دل دکھانا ملک کے ساتھ غداری ہے، اور یہ بھی کہ ماصنین ایک جمہوریت ہے۔ وہ ماصنین میں کہیں بھی دودھ اور شہد کی نہریں نہیں دیکھتے مگر جب پٹاخا جیسا عقل مند اور سب کچھ جاننے والا ان کو یقین دلاتا ہے کہ ایسی نہریں ان کے ملک میں بہتی ہیں اور یہ کہ اس نے خود بڑے کا بو اور چھوٹے کا بو کو اپنے ہاتھوں میں کدالیں لے کر ایسی ایک نہر کھودتے دیکھا ہے تو ان کو یہ باور کرنا ہی پڑتا ہے۔ سارجنٹ بزفر کا خیال ہے کہ ایسی دودھ کی ایک نہر گورنمنٹ ہاؤس کے جنوبی کونے میں بہتی ہے لیکن جب میں صبح سیر کرتا ہوا وہاں پہنچا تو میں نے وہاں صرف سفید جھاگ والے پانی کی نالی دیکھی جو گورنمنٹ ہاؤس کے غسل خانوں اور باورچی خانوں سے گندا پانی باہر لے جاتی تھی۔

سو ماصنین میں وزیرِ جھوٹ اور پٹاخا مل کر جھوٹ کی نوعیت اور قد و قامت کو بہترین طور پر عوام کو پیش کرنے کے کام میں اپنی زندگیاں وقف کیے ہوئے ہیں اور پُرخلوص طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پریس اور محکمۂ دروغ بیانی سے عوام کو بوکھلا کر اور جاہل بنا کر ماصنین کی بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

اب جبکہ میں وزیرِ جھوٹ اور پٹاخا کے موضوع پر لکھ رہا ہوں، اس ضمن میں مناسب ہو گا اگر پٹاخا کے اخبار "شترا باٹائمز" کی خبروں کی ترتیب اور پالیسی پر چند الفاظ لکھوں۔ ایس اے ٹائمز کے خریداروں کی تعداد ایک لاکھ ہے جس میں سے پچاس ہزار لوگ تاجر ہیں اور اس کو پڑیا باندھنے کے کام میں لاتے ہیں۔ اتنا سستا پُڑیا باندھنے کا کاغذ اور کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکتا۔ باقی پچاس ہزار فی الواقع اس کو پڑھتے ہیں۔ وہ اس کو بستر میں پڑھتے ہیں اور ساتھ بیت الخلا میں لے جا کر پڑھتے ہیں جہاں یہ ٹائلٹ کے مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ میں شترا با سے واپسی کے وقت اپنے ساتھ اس اخبار کی دو سال کی فائلز اسی غرض سے لایا تھا اور ایک پرچہ جواب باقی رہ گیا ہے میرے سامنے پڑا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر جلی حروف میں یہ خبر ہے: "بڑے کا بو کی

زبردست تنبیہ"، اور اس کے نیچے بڑے کابو کی ایک تقریر ہے جو اس نے اڑنگہ بڑنگہ کے جنگلیوں کے سامنے کی تھی اور جس میں اس نے کہا تھا کہ اگر پہاڑی چوہوں نے زیادہ گڑبڑ کی تو ہم پھر بھی پُرامن رہیں گے کیوں کہ ہم قدرتاً صلح جُو قوم ہیں۔ اس تقریر کے پورے دو کالم ہیں اور پھر اسے پچھلے صفحے پر "بڑا کابو" کے عنوان کے نیچے جاری رکھا گیا ہے۔

سامنے کے کالم میں چیف آف سلنگی کے کیپیٹل میں ورود کی خبر ہے، جس میں ایک تصویر ہے جس میں چھوٹا کابو اور سرکاری مہمان نواز (یہ بھی ایک عقدہ ہے) ایک پستہ قد، دراز ریش، چغہ پوش شخص سے مصافحے کر رہے ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں ایک ہوائی جہاز ہے۔ اس قسم کی خبریں تقریباً ہر روز کا معمول ہیں۔ ماضنیوں کی مہمان نوازی کا شہرہ سن کر یہاں دنیا کے ہر کونے کھدرے سے شیوخ، افریقہ کی وحشی قوموں کے سردار، اٹلانٹس کے ملک، اپنے ملکوں کے تصوریت سے پُر لباس پہنے (باپر اور کلغیاں لگائے) آتے ہیں۔ یہاں کا سرکاری مہمان نواز غالباً دنیا کا سب سے زیادہ مصروف آدمی ہے۔ اہم ترین مہمان، مثلاً مجھ جیسے، گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرائے جاتے ہیں اور چھوٹی مملکتوں کے سرداروں وغیرہ کے لیے "واہ واہ ہوٹل" یا "جوہڑ ویو ہوٹل" میں کمرے اور کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ چیف آف سلنگی بھی خبر کے مطابق سیدھا واہ واہ ہوٹل لے جایا گیا۔ غالباً دوسرے روز اس کو گورنمنٹ ہاؤس میں بڑے کابو نے لنچ پر مدعو کیا جس کی خبر "شترا باٹا ئمز" میں دی جائے گی اور کوٹ سرکلر کے تحت یہ اندراج ہوگا:

"مندرجہ ذیل شرفا لنچ پر آئے:

۱۔ ہز ہولی نس پادری چیف آف سلنگی، او بی ای (تھرڈ کلاس)
۲۔ مسٹر ایف ایل پٹاخا
۳۔ سیز گیدڑا، لنکا کے کورٹ کا آوارہ گرد سفیر
۴۔ مسٹر اور مسز چھما کا
۵۔ مسٹر ٹی ایل پہلوان، وزیر صحت و خوراک، حکومتِ اڑنگہ بڑنگہ وغیرہ۔"

"شترا باٹا ئمز" کے کورٹ سرکلر کے نیچے ملاقاتیوں میں نام آجانا یہاں کے باشندوں میں ایک بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے اور جس پرچے میں ان کا نام لنچ میں آجائے وہ اس کی کٹنگ کو تعویذ

بنا کر سینے کے ساتھ محفوظ رکھ لیتے ہیں۔

میرے سامنے پڑے ہوے پرچے کے دوسرے صفحے پر ٹائپسٹوں کے لیے اشتہار ہیں۔ ماضنین میں نوکری کی پہلی شرط ٹائپ جاننا ہے۔ اگر ٹائپ نہیں جانتے تو خواہ تم پی ایچ ڈی وغیرہ ہی کیوں نہ ہو وہ تم پر ہنسیں گے۔ پھر تیسرے صفحے پر ایک بڑا عنوان ہے: "ماضنین کا مستقبل شاندار ہے۔ سیز گیڈٹا کی واہ واہ ہوٹل کی کاک ٹیل پارٹی میں تقریر۔"

جتنے سفیر، شیوخ، تاجر ماضنین میں آتے ہیں وہ مہمان نوازی کے بوجھ تلے دب کر جانے سے پہلے اسی قسم کی تقریر کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ماضینوں کو یہی بتاتے ہیں کہ ان کے ملک کا مستقبل بے حد شاندار ہو گا اور ماضینی پچھلے ساٹھ برس سے اس شاندار مستقبل کا انتظار کر رہے ہیں۔ مہمان یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو ماضنین میں پہنچ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ گویا یہ کہنے کا ڈپلومیٹک طریقہ ہے کہ بھنے ہوے چوزے جو مجھے کھلائے گئے تھے نہایت مزیدار تھے۔

چوتھے صفحے پر، جو پٹاخا کا صفحہ ہے، چوہوں کے صدر سیز پہاڑو کے بخیے ادھیڑے گئے ہیں اور اسے کودن لومڑی کا بچہ کاٹھ کا الو وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا ہے اور اسے پھر بتایا گیا ہے کہ ماضنین گو صبر و تحمل اور نیک دلی کے پتلے ہیں پھر بھی اب ان کا صبر و تحمل، نیک دلی وغیرہ جواب دینے لگی ہیں اور اگر پہاڑیوں نے ذرا سرحد کے اس پار قدم رکھا تو ان کو آٹا دال کا تازہ ترین نرخ فوراً ذہن نشین کرا دیا جائے گا۔

ایک چھوٹا ادارتی نوٹ چیف آف سلنگی پر بھی ہے جس میں اس مملکت کا رقبہ دیا گیا ہے (تقریباً ساڑھے پانچ مربع میل) اور پڑھنے والوں کی معلومات میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ شترابا کے مقامی چڑیا گھر میں جو معمر بجو ہے وہ چیف آف سلنگی سینیئر مرحوم و مغفور کا تحفہ ہے۔ غالباً چیف کی یاددہانی کے لیے یہ بھی استیزاد کیا گیا ہے کہ یہ اس کی ماضنین میں ایک سال کے اندر تیسری وزٹ ہے۔

پھر سرخوں اور سفیدوں کے درمیان ایک لڑائی کی خبر ہے جس میں دو تین آدمی مارے گئے اور تین چار زخمی ہوے۔ یہ سب کچھ نہایت پُرامن طریقے سے ہوا اور پولیس نے تماشائیوں کے مجمعے کو قابو میں رکھا۔

ایک اور خبر ہے کہ کھلی ہوا کے عاشقوں نے آج پھر گورنمنٹ ہاؤس کے باہر احتجاج کیا۔ جب وزیرِ جھوٹ نے ان کو ایک دو باتیں مینیٹو اور افضل تر کابو کے متعلق بتائیں اور ان سے دستور کے مطابق اس کو عرض داشت گزارنے کے لیے کہا تو یہ لوگ "مینیٹو زندہ باد! افضل تر کابو زندہ باد!" کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔

مختصراً "شترا باما ئنز" کو پڑھ کر اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے ماضنین واقعی دودھ اور شہد کی سرزمین ہے۔ یہاں کے شہری تہذیب اور کلچر میں قدیم یونانیوں اور رومنوں سے آگے ہیں اور زندگی نہ ختم ہونے والی پارٹیوں، استقبالوں اور گورنمنٹ ہاؤس کے لنچوں پر مشتمل ہے۔ ماضنینی اس دوا کی گولی کو ہر صبح ناشتے کے ساتھ پھانک لیتے ہیں۔

وزیرِ جہالت

وزیرِ جہالت کا چہرہ لکڑی سے تراشا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی لکڑی سے جو کھردری اور گھٹیا قسم کی ہو۔ اس کا چہرہ کسی قسم کی ذہانت اور سمجھ سے عاری ہے لیکن یہ شخص ارٹنگہ برٹنگہ کی یونیورسٹی کا پی ایچ ڈی ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ وہ پی ایچ ڈی اس لیے ہو گیا کیوں کہ اس کا باپ اس وقت اس یونیورسٹی کا وائس چانسلر تھا۔ اب اس کو حال ہی میں اسی یونیورسٹی کا اعزازی ایل ایل ڈی بھی بنا دیا گیا ہے۔

اس کے بارے میں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے موجودہ وائس چانسلر سے چائے کی دعوت پر کنایتاً اپنی اسی تمنا کا اظہار کیا تھا بلکہ وائس چانسلر کو برطرفی کی دھمکی بھی دی تھی (اگر اسے ایل ایل ڈی نہ بنائے جانے کی صورت میں)۔

وہ ایک تعلیم یافتہ جاہل ہے۔ تعلیم نے اس کو کوئی غلط خیال نہیں دیے اور اسے قطعاً نہیں بگاڑا، جس طرح یہ دوسرے ہزاروں نوجوانوں کو بگاڑ دیتی ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد زندگی کے حقیقی مقاصد یعنی روپیہ کمانے اور شادی کرنے سے انحراف کر دیتے ہیں اور عوامی ادب پیدا کرنے اور سوشل پروپیگنڈا جیسے بے حاصل اور بے فائدہ مشاغل میں اپنی زندگیاں ضائع کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے نوجوان اس وقت کثرت سے تھے جب ماضنین کی یونیورسٹیوں میں تقریباً وہی

سلیبس پڑھایا جاتا تھا جو بائپر بوُروں نے اپنے دورانِ حکومت میں مروج کیا تھا۔ اب سلیبس بے حد سادہ اور ٹو دی پوائنٹ کر دیا گیا ہے اور ایک آدمی خواہ ساری عمر ہی تعلیم مین صرف کر دے، وہ جاہل رہتا ہے۔

میں یہاں سلیبس میں تبدیلی کی ایک مثال دوں گا۔ مثلاً پہلے درسی کتابوں میں عموماً بڑے بڑے آدمیوں کی زندگیاں طلبا کے سامنے پیش کی جاتی تھیں تاکہ وہ ان کی تقلید کر سکیں یا ان کے کردار کا مطالعہ کر سکیں۔ ان بڑے بڑے آدمیوں میں مشہور جرنیل، مشہور مصنف اور شاعر، مشہور مخیر وغیرہ ہوتے تھے اور کسی خاص ملک کی قید نہ تھی۔ اب ماصنین کے نئے سلیبس میں ان بڑے بڑے آدمیوں کی ایک فہرست بنا دی گئی ہے جو باقاعدہ حکومت سے منظورشدہ ہیں، اور اس فہرست سے باہر کوئی آدمی بڑا نہیں مانا جا سکتا۔ اس فہرست کے سب سے اوپر افصل ترکابو کا نام ہے اور پرائمری کے سب درسی کورس اس کے حالاتِ زندگی پر ایک مضمون شروع سے ہوتے ہیں۔ امتحانوں میں طلبا سے اس قسم کے سوال کیے جاتے ہیں:

افصل ترکابو کے باپ کا نام کیا تھا؟ افصل ترکابو کا چچا کب پیدا ہوا اور کیا وہ صفراوی المزاج تھا یا بلغمی المزاج؟ افصل ترکابو نے کن باتوں سے متاثر ہو کر اپنے آبائی پرانے معزز حجامت کرنے کے پیشے کو چھوڑ کر پنساری کی دکان کھولی، اور وہ کیا گن تھے جن سے وہ دکان دو سال کے اندر ہی چمک اٹھی؟

(ماصنین کا بانی افصل ترکابو ایک پنساری تھا اور ماصنینی اس پر بے حد نازاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے ماصنینیوں کو تجارت اور ترازو کی برکتوں اور فوائد سے آگاہ کیا۔ اس نے اپنے گاؤں موضع فانگ میں ایک چھوٹی دکان سے ابتدا کی اور چند سال کے اندر اندر اس نے بڑے بڑے شہروں میں دس بڑی شاخیں کھول دیں اور گماشتے مقرر کر دیے۔ گو وہ بعد میں سفید پارٹی کا لائف صدر بھی بن گیا اور ماصنینیوں کا سب سے بلوقار لیڈر، پھر بھی اس نے آخری دم تک ترازو کے پلڑے کو اپنے ہاتھ سے نہ رکھا)۔

قدرتاً نئے سلیبس کی وجہ سے ہر ماصنینی اسکول کے لڑکے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر اپنے لیڈر کی طرح پنساری بنے۔ وہ یہ حقیقت جان جاتا ہے کہ دکان پر بیٹھنا بل چلانے یا تلوار

اٹھانے یا کتاب لکھنے سے (جو سب فضول باتیں ہیں) بدرجہا بہتر اور شریف تر پیشہ ہے۔

اسی طرح افضل تر کا بو اور ہینیٹو دونوں مل کر اسکول کے لڑکوں کے غلط رجحانات کو کھلنے سے پہلے ہی ختم کر دیتے ہیں۔ دوسرے منظور شدہ بڑے آدمی، بڑا کا بو، چھوٹا کا بو وزیرِ اعظم اور دوسرے وزرا ہیں۔ سلیبس لکھنے والے عموماً وزیرِ جہالت کے حالاتِ زندگی کو ضرور درج کرتے ہیں کیوں کہ سلیبس پر آخری صاد اور یہ فیصلہ کہ اس کو مروج کیا جائے یا نہ کیا جائے اس کی مرضی اور خوشی پر منحصر ہے۔

اس طرح تاریخ اور جغرافیہ میں ماضنینی اسکولوں میں صرف ماضنینی تاریخ اور جغرافیہ ہی پڑھایا جاتا ہے۔ تاریخ اسی اصول پر لکھی گئی ہے جس پر ایف ایل پٹاخا کا "شترا باٹائز" مرتب کیا جاتا ہے؛ اس میں بڑے کا بوؤں اور چھوٹے کا بوؤں کے عہدِ حکومت اور ان کے اہم کارناموں وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جغرافیہ صرف ماضنین تک محدود ہے۔ دنیا کا جغرافیہ اسکولوں میں نہیں پڑھایا جاتا تاکہ ماضنینی طلبا یہی یقین کریں کہ ماضنین ہی ساری دنیا ہے۔ یہ حب الوطنی کے پیشِ نظر ہے۔ ہائی اسکول میں بڑے کا بو کا دیباچہ ایک ضروری کورس ہے اور طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کو الف سے ے تک زبانی رٹیں۔

نصاب لکھنے والے ان بڑے آدمیوں کی فہرست میں لامحالہ وزیرِ جہالت کا نام ضرور درج کرتے ہیں کیوں کہ نصاب پر آخری صاد اور اسے مروج کرنے کا فیصلہ وزیرِ جہالت کی مرضی اور خوشی پر منحصر ہے۔

اسی طرح مذہبی تعلیم بھی لازمی ہے۔ اس میں لڑکوں کو ہینیٹو کو پوجنے کے ایک ہزار ایک مختلف آداب سکھائے جاتے ہیں۔ ان کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ پہاڑی چوہوں کو ہینیٹو پر بھینٹ چڑھانے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور یہ کہ آیا ابتدا کانوں سے کرنی چاہیے یا ناک سے (کانوں سے مستحسن ہے)۔ مجھے وزیرِ جہالت سے واہ واہ ہوٹل میں ایک ریسپشن پر ملنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ دیر تک وہ مجھے اپنے چوبی چہرے سے دیکھتا رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ کیا کہے، یا یہ کہ آیا کچھ کہنا ضروری ہے یا نہیں۔ پھر اچانک اس نے گفتگو کی ابتدا کی، بالکل اسی فقرے سے جس سے ہر ماضنینی گفتگو کا آغاز کرتا ہے۔

اس نے کہا، "مسٹر پوپو پالنہار چو کا مانیفو! ماضنین دنیا کی چونسٹھویں بڑی طاقت ہے اور ہینیٹو کے ماننے والے ممالک میں اس کا نمبر دوسرا ہے۔"

میں نے ہلکے سے تعجب کا اظہار کیا جیسے میں نے یہ خوش خبری پہلی دفعہ سنی ہو۔

اس کے بعد اس نے نیچے اپنے بوٹوں کو گھورتے ہوئے اور اپنے چھوٹے ہاتھوں کو گود میں رکھے کچھ شرماتے ہوئے کہا (اس میں کسرِ نفسی کا مادّہ ہے)، "میں وزیرِ جہالت ہوں اور صنعت کا محکمہ بھی میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میں مقامی پنساریوں کی مجلس کا لائف صدر ہوں۔" میں نے اسے یقین دلایا کہ میں نے عرصے سے اتنی اچھی خبریں نہیں سنیں اور یہ کہ مجھے اس پر اتنا ہی فخر ہے جیسے وہ میرا اپنا بیٹا ہو۔ اس فقرے نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس نے مجھے ماضنین میں تعلیمی حالت پر ایک مبسوط لیکچر دیا کہ کس طرح پچھلے سلیبس سب کے سب ناقص تھے، کس طرح اس نے نئے سلیبس مروج کیے جو لوگوں کو تعلیم کا الیوژن دینے کے باوجود جاہل چھوڑتے ہیں۔

"مسٹر پوپو! دیکھو، میرا خیال ہے پچھلی دنیا کی سب بیماریوں اور مصیبتوں کی جڑ تعلیم پر زور تھا، اور تعلیم بھی ایسی جو زندگی کو اور زیادہ الجھا ہوا اور دقیق بنا دے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو تدریجاً اور خوشگوار طریق پر اور ان کو جتائے بغیر ایک وسیع جہالت کی طرف لایا جائے۔ حکومت کی ساری مشینری اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے کام کر رہی ہے اور ہمیں جو کامیابی ہوئی ہے وہ ہماری توقعات سے بڑھ کر ہے۔ ہینیٹو اب پہلے سے کہیں زیادہ ہر دلعزیز ہے اور وہ لوگ جو اس میں یقین نہیں رکھتے خال خال ہیں، اور حکومت ان کو ٹھکانے لگا رہی ہے۔" یہاں وہ ایک پرکشش طریق سے مسکرایا۔ "اور افضل ترکابو لوگوں کے ذہنوں پر اس طرح مسلّط ہے کہ وہ اب چاہیں بھی تو اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ پنسار کا پیشہ دن بدن مقبولیت پکڑتا جاتا ہے اور صرف شترابا میں تین لاکھ پچھتر ہزار پنساری ہیں۔ رفتہ رفتہ اسکول اور کالج بھی بند کیے جائیں گے کیوں کہ عوام کا بالکل ان پڑھ ہونا تعلیم یافتہ جہالت سے ہمارے حق میں زیادہ مفید ہے، مگر اس وقت لوگ موخرالذکر کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارا آخری مقصد مکمل جہالت ہے اور ہماری ہمت اس سے بندھتی ہے کہ وہ جو کھلی ہوا کے عاشق ہیں اور جن کی تعداد سارے ماضنین میں دس کروڑ ہے، نہ ایک لفظ لکھ سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔"

میں نے کہا کہ حالات کافی موافق ہیں اور یہ کہ اگر پوری تن دہی سے کوشش کی جائے تو میں کوئی وجہ نہیں سمجھ سکتا کہ وزیرِ جہالت کو اپنے نیک اور مبارک مقصد میں کامیابی نہ ہو۔

"اور اب میں آپ کو ماضنین کی صنعتی ترقی کے بارے میں بتاؤں گا،" اس نے فاتحانہ للکار سے کہا۔

"کسی اور وقت..." میں بڑبڑایا، مگر اس کا بچے جیسا ولولہ اُبلا پڑ رہا تھا اور اسے اپنے ارادے سے باز نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

"ماضنین میں صنعتی ترقی زوروں پر ہے۔ پچھلے بیس سالوں میں آٹا پیسنے کی پانچ چکیاں اور تین گھاس کاٹنے کی مشینیں در آمد کی جا چکی ہیں، جس سے انسانوں اور حیوانوں کے خوراک کے مسئلے کا حل زیادہ نزدیک ہو گیا ہے۔ تم شاید کھلی ہوا کے عاشقوں کے متعلق سوال کرنے لگے ہو کہ وہ اُسی طرح بھوکے ہیں، مگر ان کا قصہ اَور ہے۔ ان کو ہم پچھلے سال مجلس کی ایک قرارداد کی رو سے حقوقِ ملکی سے محروم کر چکے ہیں اور اس سال میرا دوست وزیرِ خوراک ایک اور قرارداد منظور کرانے کی سوچ رہا ہے جس سے کھلی ہوا کے عاشق حقوقِ انسانیت سے بھی محروم کر دیے جائیں گے۔"

"جیسے پہلے یہ حقوق ان کے پاس ہوں،" میں نے اس تیز سیاست داں کی ٹوہ لینے کے لیے کہا۔

"ہاں، اب بھی وہ محروم ہیں،" وزیر نے اعتراف کیا، "مگر ہم ایک جمہوریت ہونے کی وجہ سے اس کو قانون بنا کر اپنے دستور میں درج کرنا چاہتے ہیں۔ اس قانون کے پاس ہو جانے کے بعد ان کو کئی طریقوں سے (جو ابھی غیر قانونی ہوں گے) ٹھکانے لگایا جا سکتا ہے۔ میرے دوست مسٹر ایف ایل پٹاخا نے ابھی سے اس اسکیم کا مسودہ تیار کر لیا ہے جس پر چل کر حکومت مختصر ترین وقت اور کم ترین لاگت سے ماضنین کے چہرے سے اس دھبّے کو مٹا سکتی ہے۔"

اس نے مجھ سے پوچھا، شاید محض اخلاقاً، "آپ کا ملک یوکناپوٹاوابا ہمیں اپنی مشینیں وغیرہ در آمد کیوں نہیں کرتا؟ ہماری فیکٹریاں نامرم پیسے کافی مقدار میں نکال رہی ہیں۔"

میں نے اسے سمجھایا، "تمہارا ملک پیچھے جا رہا ہے۔ تم تو ساری وہ چیزیں بھی چھوڑتے جاتے ہو جو اَب مہذب دنیا کی ضروریاتِ زندگی میں داخل ہیں۔ اس لیے ہماری نئی ایجادیں،

ہمارے راکٹ، ہمارے اڑنے والے پر تمھارے لیے باعثِ دلچسپی نہیں ہو سکتے۔ حقیقتاً، مسٹر وزیرِ جہالت، میرے خیال میں ان اشیا کے لیے تمھارے ملک میں مارکیٹ ہی نہیں۔"

"مارکیٹ ہی نہیں... مارکیٹ ہی نہیں..." وزیرِ جہالت و صنعت بے تحاشا ہنستے ہوئے چلّایا جیسے اس نے زندگی میں پہلی دفعہ ایک اچھا مذاق سنا ہو۔ "تم کہتے ہو مارکیٹ ہی نہیں! صرف ہمارے شترابا میں ہی چار مارکیٹیں ہیں: ہینیٹو مارکیٹ، افضل تر کابو مارکیٹ، بڑا کابو مارکیٹ، چھوٹا کابو مارکیٹ۔"

اب واقعی میں نے جانا کہ یہ آدمی فی الواقع جاہل تھا۔ ہماری یہ پرمغز گفتگو وزیرِ جہالت کی بیوی کے آجانے سے منقطع ہو گئی جو اپنے خاوند کو سب لوگوں میں تلاش کرتی آ پہنچی تھی۔ اپنے خاوند کو پا کر وہ اس پر اس طرح جھپٹی جیسے بلّی چوہے پر اور اس کو ہاتھ سے پکڑ کر فاتحانہ میرے پاس سے لے گئی۔

وزیرِ خوراک اور وزیرِ مالیات

میں ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ وہ دونوں جڑواں ماں جائے ہیں اور ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں، اگرچہ وزیرِ خوراک ذرا فربہ ماڈل ہے۔ وہ ایک جیسا پہنتے ہیں، ایک جیسا کھاتے ہیں (اگرچہ جہاں تک مقدار کا تعلق ہے وزیرِ خوراک قدرے بہتر ہے)۔ دونوں کا نام ایک ہے، گو ایک دوسرے سے امتیاز کے لیے وزیرِ خوراک ایریل سینیئر کہلاتا ہے اور وزیرِ مالیات ایریل جونیئر۔ وزیرِ خوراک ایریل سینیئر ہے کیوں کہ وہ جونیئر سے چار منٹ پہلے تولد ہوا تھا۔ دونوں اپنے کوٹ کے بائیں کالر کے سوراخ میں ایک بڑا سرخ گلاب کا پھول لگاتے ہیں۔

میں نے ان کو پہلی نظر میں پسند کیا۔ سارے ماضنین میں مجھے صرف یہ دو ہی حقیقی طور سے خوش آدمی نظر آئے۔ ان کے چہروں پر سرخی تھی اور آنکھوں میں شرارت کی ٹمٹماہٹ۔ ماضینین میں ایسے آدمی کم ہی نظر آتے ہیں۔

وزیرِ خوراک وزیرِ صحت بھی ہے۔ وہ بہترین خوراک کھاتا ہے اور صبح کے وقت مگدر کی جوڑی گھماتا ہے۔ اسے دیکھ کر ماضنین کی خوراک اور صحت کے بارے میں اچھا اور خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

میں نے جب اس سے پوچھا، "تمہارے ملک میں خوراک کی کیا حالت ہے؟" تو اس نے کہا:

"خوراک کی؟ خوراک کی یہاں بہتات ہے۔ میں روزانہ دو مرغیاں اور ایک سیر انڈوں کا حلوا کھاتا ہوں۔ خوراک کی اتنی کثرت ہے کہ میرا بڑا پرابلم یہ ہے کہ ضائع شدہ اور فاضل اناج کا کیا کیا جائے۔"

"تم اس کو کھلی ہوا کے عاشقوں میں تقسیم کیوں نہیں کر دیتے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"کھلی ہوا کے عاشق؟" وہ میرے اس فقرے سے بہت صدمہ زدہ معلوم ہوتا تھا۔ "اوہ وہ وحشی! وہ ملکی حقوق سے محروم ہیں اور حکومت کی پالیسی ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ رفتہ رفتہ ٹھکانے لگ جائیں گے۔ اور اس کے علاوہ وہ کھلی ہوا کھا سکتے ہیں۔ اس میں وٹامن ڈی بھی ہوتی ہے۔ مسٹر پوپو، ہم یہاں اونچی سوسائٹی میں کھلی ہوا کے عاشقوں کا ذکر نے بُو سمجھتے ہیں۔ مہربانی کرکے ان کا ذکر ہرگز نہ کیا کرو، میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔"

"مجھے معاف کرو مسٹر ایریل سینیٹر!" میں نے جلدی سے معذرت کی۔ "اچھا تو یہ بچی ہوئی زائد خوراک... پھر تم اس کا کیا کرتے ہو؟"

"بیشتر تو شترابا کے وسطی جوہڑ میں پھنکوانی پڑتی ہے۔ کچھ حکومت کے چند خاص آدمیوں کو جمع کرنے کے لیے بیچ دی جاتی ہے۔ وہ عموماً اس کو دُگنے نفع پر آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں کو بیچ دیتے ہیں۔"

"اور یہ خاص آدمی تم کو کتنا کمیشن دیتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"صرف روبل میں سے آدھا روبل،" اس نے شکایت کی۔ "یہ بہت تھوڑا ہے۔ اور خاص طور پر اس حالت میں جبکہ اس میں سے مجھے بڑے کا بو چھوٹے کا بو اور وزیر اعظم کو حصے بانٹنے پڑتے ہیں۔"

میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کی اور اتفاق کیا کہ کمیشن بہت تھوڑا ہے۔ میں نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ میں خود بڑے کا بو سے سفارش کروں گا کہ وہ اپنا پچاس فیصدی حصہ گھٹا کر ۴۵ فیصدی کر دے۔

"تمھاری صحت بینیٹو کی رحمت سے بہت اچھی ہے،" میں نے اس کو مبارک باد دی۔ "تم کون سی روٹی کھاتے ہو؟"

وہ چمکا۔ "میں روٹی نہیں کھاتا، کیک کھاتا ہوں، فروٹ کیک!" اس نے جواب دیا۔ "اور یہی میری صحت کی اصل وجہ ہے۔ بھائی ایریل جونیئر بھی کیک کھاتا ہے۔"

ایریل جونیئر نے جو پاس موجود تھا اس کی تائید کی۔

"مسٹر پوپو، میں کیک اس لیے کھاتا ہوں کہ میں میٹھی چیزوں کا بچپن سے شوقین ہوں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام آدمی، آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والے، روٹی کھاتے ہیں۔ اگر ہم اونچے لوگ بھی روٹی کھانے لگ جائیں تو وہ کیک جو بچ رہیں گے ان کو کون کھائے گا۔"

یہ مجھے ایک ناقابلِ تردید دلیل معلوم ہوئی اور میں نے بحث اور گفتگو کی خاطر ان کے دیباچے کے پہلے رکن پر اعتراض کیا۔

"تم اونچی سوسائٹی اور نیچی سوسائٹی کا ذکر کرتے ہو، مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ دیباچے کی رو سے تم سب برابر ہو۔"

ایریل جونیئر نے پھر مجھے معقول جواب دیا۔

"دیباچے کا دوسرا رکن یہ واضح کر دیتا ہے کہ چند انسان دوسرے انسانوں سے زیادہ برابر ہیں۔ ہم زیادہ برابر انسانوں میں سے ہیں۔ یہ اگر کسی کا قصور ہے تو بینیٹو کا ہے۔"

یہ ملاقات اور بات چیت ہوٹل جوبرڈویو میں ہوئی جہاں مجھے ایک بھنگ کی پارٹی دی گئی تھی۔ مگر میں ایریل جونیئر کی ذہانت اور حاضر جوابی سے اس قدر متاثر ہوا کہ جب اس نے ایک شام مجھ کو اپنے گھر ایک غیر رسمی کھانے پر مدعو کیا تو میں نے واقفیت بڑھانے کے اس موقعے کو غنیمت سمجھا۔

میں اس سے اکیلا ہی ملنے کے لیے گیا اور سارجنٹ بزفز کو بھی ہمراہ نہ لے گیا۔ (اول تو سارجنٹ کو مدعو نہیں کیا گیا تھا، دوسرے وہ صنفِ مخالف کے چند افراد کے درمیان مصروف تھا۔)

جب میں وزیرِ مالیات کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ سامنے سمادھی کی حالت میں لنگوٹا کے

آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سانس اوپر کھینچ رکھا تھا۔ کیا خوب! یہ تو یوگ کا طالبِ علم بھی ہے۔ میں مسرت سے پھول گیا۔

وہ فوراً یوگ کے عمل کو ختم کر کے مجھ سے بغل گیر ہو کر ملا۔ دونوں گالوں پر میرا بوسہ لیا اور کہا: "مسٹر پوپو! ماضنین دنیا کی چونسٹھویں بڑی سلطنت ہے اور مینیٹو کو ماننے والے ملکوں میں اس کا نمبر دوسرا ہے۔"

میں نے کہا: "میرے پیارے ایریل! یہ تو تم مجھے اس رات جوہرڈویو ہوٹل کی بھنگ پارٹی میں بتا چکے ہو۔"

"بھنگ پارٹی کا ذکر آ گیا تو..." ایریل جونیئر نے کہا، "تم کھانے سے پہلے ایک گلاس بھنگ اور سوڈا نوش کرنا پسند کرو گے؟"

میں نے حسبِ معمول کہا کہ مجھے مطلقاً کوئی اعتراض نہ ہو گا اور فوراً ہی میز پر ریشمی برف میں لگی ہوئی تازہ بھنگ کے دو گلاس لگا دیے گئے۔ میں نے جب سوڈا ایریل کے گلاس میں انڈیلنا چاہا تو اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے منع کر کے کہا: "میں اپنی بھنگ میں سوڈا ملانا پسند نہیں کرتا۔ میں اس کو نیٹ پسند کرتا ہوں۔"

"پھر میں بھی نیٹ پیوں گا،" میں نے گلاس کو غٹ غٹ چڑھاتے ہوئے کہا۔ پیشتر اس کے کہ میں اس معرفت اور ذہانت کی گفتگو کی تفصیل دوں جو ہمارے درمیان ہوئی، میں وزیرِ مالیات ایریل جونیئر کا ایک چھوٹا سا کیرکٹر اسکیچ دیتا ہوں۔ وہ ایک خوبصورت آدمی ہے، ستواں ناک اور حساس جاندار نقوش۔ وزیرِ مالیات کی حیثیت سے وہ آسانی سے اپنی کابینہ میں خوف اور رعب سے دیکھا جاتا ہے کیوں کہ وہی ایک ایسا شخص ہے جو کابینہ میں مالیات جیسے ٹیڑھے مسئلے کو سمجھتا ہے۔ وہ سرپلس بجٹوں کا ماہر ہے اور اس کے سارے بجٹ سرپلس یا فاضل ہوتے ہیں۔ سرپلس بجٹ پیش کرنے کے بعد وہ دوسرے دن دوبارہ اسی بجٹ کو اس خوبی سے پیش کرتا ہے کہ وہی بجٹ خسارے کا بجٹ بن جاتا ہے۔ مثلاً وہ سرپلس تقریر کے دوسرے روز بڑی معصومیت سے اٹھ کر کہتا ہے: "حضرات! کل جو بجٹ میں نے پیش کیا تھا اس میں تھوڑی سی میزان کی غلطی تھی۔ چار کروڑ روبل کی رقم سرپلس نہیں بلکہ خسارہ ہے۔ حضرات اس معمولی سی غلطی کو نوٹ کر لیں۔"

پہلا فاضل بجٹ وہ ہوتا ہے جو ایف ایل پٹاخا اپنے اخبار ایس اے ٹائمز میں فلیش کرتا ہے۔ ماضنینی فاضل بجٹ کے عاشق ہیں۔ ان کو فاضل بجٹ یوں محسوس کرانے لگتا ہے جیسے ان کے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ ہے۔ کئی ملازم اسی خیال میں اپنی ساری تنخواہ فاضل بجٹ کی تقریر پڑھنے کے دوسرے دن بعد ہی خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ماضنینوں کو اپنے وزیرِ مالیات پر بجا طور پر فخر ہے۔

وہ اپنے آپ کو کسرِ نفسی سے محض ایک خزانچی کہتا ہے جو میرے خیال میں کسرِ نفسی کو بھی بہت دور لے جانا ہے۔ اس نے مالیات کا کام اپنے بوڑھے باپ سے سیکھا تھا جو خالی ٹین کے ڈبوں کا تھوک کاروبار کرتا تھا۔ اب بھی ماضنین میں کئی آدمی ایسے ملیں گے جو یقین کرتے ہیں کہ سالانہ بجٹ بوڑھے آدمی کے تیار کردہ ہوتے ہیں مگر لوگ، خصوصاً ماضنین میں، اکثر بے پر کی اڑاتے رہتے ہیں اور ان کے الزامات پر زیادہ توجہ نہیں دینی چاہیے۔

مگر یہ صرف اس کے فاضل بجٹ ہی نہیں جنھوں نے اسے قوم کا محبوب بنا دیا ہے بلکہ وہ ایک اچھا ہومیوپیتھک ڈاکٹر بھی ہے۔ اسے یوگ اور فلسفے سے بھی دلچسپی ہے اور اس نے مصر کے ناچنے والے درویشوں پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ (وہ خود متواتر پانچ گھنٹے بغیر ستائے ناچ سکتا ہے۔)

میں نے بھنگ کو تلچھٹ تک پیتے ہوئے اسے اس کے سرپلس بجٹ پر مبارک باد دی۔

"مسٹر ایریل، یہ تم کیسے کرتے ہو؟ تمھارے بجٹ ہمیشہ سرپلس ہوتے ہیں۔"

وہ مسکرایا۔ "مجھے یہ کرنا پڑتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ لوگ اب مجھ سے فاضل بجٹوں کی توقع کرنے لگ گئے ہیں۔ اس لیے پہلے دن میں کہتا ہوں میرا بجٹ فاضل ہے۔ ماضنینی ریاضی کم جانتے ہیں اور ہندسوں کی دنیا ان کے لیے اسرار ہے۔ وہ میرے بیان کو سچ مان لیتے ہیں اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ دوسرے دن میں اپنا اصلی بجٹ پیش کرتا ہوں جس کے متعلق کوئی پروا نہیں کرتا۔ اس بجٹ میں خسارہ بعض وقت اس حد تک ہوتا ہے کہ اسے دیوالیہ بجٹ کہنا چاہیے۔ خیر اس قصے کو چھوڑو۔ میں تم سے آج فلاسفی پر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم فلسفے کے طالبِ علم ہو۔ مسٹر پوپو، زندگی کا کیا فائدہ ہے؟" اس نے اپنی ٹمٹماتی ہوئی نظریں مجھ

پر گاڑ دیں۔

"فائدہ؟ یہ مجھ پر ابھی تک کھل نہیں سکا۔ غالباً دردِ دل..."

اس نے مجھے ٹوکا۔ "مسٹر پوپو! مجھے ایک سچی بات بتاؤ۔ کیا تم نے اس دردِ دل کو کبھی محسوس کیا ہے؟ ہر کوئی اس کا ذکر کرتا ہے۔"

"میں نے اس کو محسوس نہیں کیا،" میں نے جواب دیا، "مگر وہ لوگ جو مقفیٰ فقرے لکھتے ہیں اور جن کے فقروں میں فعل عموماً پہلے آتا ہے اور فاعل اکثر آخر میں، اس کو کافی حد تک محسوس کرتے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے یہ فزیالوجیکل فینامینا ہے۔ سارجنٹ بزفز نے اسے ایک دو دفعہ محسوس کیا ہے، اگرچہ پیٹ میں۔"

"میں زندگی میں گھینٹو کے فلسفے کا موید ہوں۔ کیا تم نے کبھی اس کا نام سنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اس فلسفی کے وجود سے اپنی کلّی لاعلمی کا اظہار کیا۔ "گھینٹو کا نام بھی نہیں سنا؟" وہ چیخا۔ "گھینٹو! ارسطو اور افلاطون، ان پرانے یونانی فلسفیوں کے بعد ان جدید وقتوں میں وہی تو ایک اصلی فلسفی ہوا ہے۔ مسٹر پوپو! مجھے بے حد مایوسی ہوئی ہے۔ تم مکئی کے بھٹے تو نہیں کھاتے رہے؟" (یہ ایک ماضنینی محاورہ ہے۔)

"میں اپنی لاعلمی پر بے حد شرمندہ ہوں،" میں بولا۔ "مجھے بتلاؤ کہ یہ گھینٹو کون تھا اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟"

"گھینٹو ایک ایسا شخص تھا جس نے ساری عمر درخت کے اوپر چڑھ کر گزار دی۔ لوگ اس کی منتیں کرتے تھے کہ وہ نیچے اتر آئے۔ بعض نے اسے یہ لالچ دیے کہ نیچے آ جاؤ تو تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ افضل ترکابو خود ننگے پاؤں چل کر اس کے درخت کے نیچے آیا اور اس سے جگہ تبدیل کرنے کی خواہش کی مگر اس نے نیچے اترنے سے انکار کر دیا۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔ "اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو..."

"دراصل وہ نیچے اس لیے نہیں آتا تھا کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ وہ پرندہ ہے، اور پرندوں کے لیے موزوں ترین جگہ درختوں کی ٹہنی ہے۔ اس کے علاوہ وہ بلیوں سے بے حد ڈرتا تھا۔"

"بلیوں سے تو میں بھی ڈرتا ہوں۔ مسٹر ایریل، تمھارے گھر میں تو کوئی بلی نہیں؟" اس نے مجھے یقین دلایا کہ اس گھر میں کوئی بلی نہیں پھٹک سکتی اور یہ کہ وہ گھینٹو کی خواہشات کے احترام کے مد نظر بلیوں کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ جب مجھے پورا اطمینان ہو گیا تو ہم نے یہ دلچسپ اور پر مغز گفتگو جاری رکھی۔

"اور اس گھینٹو کا فلسفہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا فلسفہ بالکل سادہ تھا جس کو وہ اپنے درخت کی ٹہنی پر سے گزرنے والوں سے دہراتا رہتا تھا۔ وہ تھا: جو ہے وہ ہے، جو نہیں ہے وہ نہیں ہے۔ اس ایک فقرے میں سارا عالم سما جاتا ہے۔ ارسطو مرسطو... ان کے دماغ کبھی اتنے اونچے نہیں اڑے۔"

"یہ بہت زیادہ گہرا ہے اور کم از کم میرے احمق سر سے بہت اوپر،" میں نے اقرار کیا۔

"میں تو اپنی زندگی میں گھینٹو کی پیروی کرتا ہوں۔"

"تم درخت کے اوپر کیوں نہیں رہتے؟" میں نے سوال کیا۔ "تمھیں درخت کے اوپر رہنا چاہیے۔"

"گھینٹو نے اسے فرض قرار نہیں دیا، اور پھر درخت پر سے محکمۂ مالیات کے معاملات کو چلانا آسان نہیں ہوگا... آؤ اب ہومیو پیتھی پر باتیں کریں۔"

"بے حد عجیب سسٹم ہے۔ بالکل بے ضرر،" میں نے کہا۔ "ایک دفعہ یو کنا پوٹاوا میں میرا چھوٹا بھانجا ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹری کی دکان میں گھس گیا۔ ڈاکٹر کہیں باہر تھا۔ میرے بھانجے نے غالباً اسے ایریٹیڈ واٹر کی دکان سمجھ کر ڈاکٹر کی ساری بوتلیں پی ڈالیں۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور ایک دفعہ میری چچی..."

ایریل نے ایک جمائی لی۔ "میرا ناچنے کو دل کر رہا ہے۔"

میں نے کہا، "مجھے تمھیں ناچتے دیکھ کر راحت ہوگی۔"

اس کے بعد اس نے ماضینیی کلاسیکل ناچ کا ایک بڑا حیرت انگیز نمونہ پیش کیا اور جب اس کا بیرا ہمیں بتانے کے لیے آیا کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے تو اس نے اس کو کمر کے گرد پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ ناچ میں شامل کر لیا۔ میں نے چھوٹا بھنگ کا گلاس، جو اشتہا بڑھانے کے لیے اکسیر

ہے، پیا اور مجھے اب تیز بھوک لگ رہی تھی۔ میں ان دونوں کو وہاں ناچتا ہوا چھوڑ کر کھانے کے کمرے میں چلا گیا اور اس وقت تک کھاتا رہا جب تک میرا پیٹ نہ پھٹنے لگا۔ میں نے پڈنگ خوب کھائی۔ کھانے کے کمرے میں سے جب میں لڑکھڑاتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا تو وہ دونوں ابھی تک موِرقص تھے۔ گو اب یہ کلاسیکل ناچ نہ تھا جو وہ ناچ رہے تھے۔ وہ اب رمبا ناچ رہے تھے۔ انھوں نے مجھے بھی شامل ہونے کی دعوت دی اور میں اس تجویز پر غور ہی کر رہا تھا کہ یک لخت سامنے دروازے میں میں نے سیاہ سوٹ میں ایک بھاری آدمی کو کھڑے دیکھا جس کی بڑی گپھے دار مونچھیں تھیں۔ مجھے اس کا چہرہ جانا پہچانا معلوم ہوا۔ جب اس نے کھانس کر اور اپنی گپھے دار مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا، "یور آنر..." تو مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ یہ شخص میرا اپنا پیارا سارجنٹ بزفر ہے۔

"یور آنر،" سارجنٹ بولا۔ "اُدھر گورنمنٹ ہاؤس میں طوفان مچا ہوا ہے۔ وہ تمھیں ہر جگہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ چارپائی کے نیچے، الماریوں میں، چھت کے اوپر۔ بڑا کابو خود ایک پینک کی حالت میں ہے۔ مجھے خود اس حالت میں جنسِ مخالف کے ساتھ چند اہم معاملات کو بیچ میں چھوڑ کر چار و ناچار یہاں آنا پڑا ہے... بندۂ خدا! کم از کم کہہ کر تو جانا تھا۔" اس نے بے صبری اور جھنجھلاہٹ سے میری ایریل کے ساتھ رقص کرنے کی درخواست کو مسترد کر دیا اور مجھے اپنے مضبوط ہاتھوں میں پکڑ کر دھکیلتا ہوا دروازے کے باہر لے گیا جہاں بڑے کابو کی منتظر فٹن ہم دونوں کو تاروں سے چھٹکی ہوئی فضا میں گورنمنٹ ہاؤس لے گئی۔

چوتھا باب

ماصنین میں حقوقِ نسواں

ماصنینیوں کا دیوتا ہینیٹو ہندو دیوتا شِو کی طرح جنسی لحاظ سے نر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اوتر برہمچاری ہونے کی وجہ سے جنسی فعل سے پرہیز کرتا ہے۔ ہے وہ نر، اور اس امر نے ماصنینیوں کی تمدنی اور سماجی زندگی پر ایک بے حد گہرا اثر ڈالا ہے۔ چوں کہ دیوتا نر ہے اس لیے قانون سب مردوں کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ عورتیں اس ملک میں صرف مردوں کے استعمال کی چیزیں ہیں اور تم ان کو اس طرح استعمال کرتے ہو جیسے اپنے ٹوتھ برش، گرم پانی کی بوتل اور انیما کے سامان کو۔ جب کوئی ماصنینی رات کو کسی عورت سے متمتع ہوتا ہے تو وہ اپنے اس عمل کا ذکر اپنے دوستوں میں اس انداز سے کرتا ہے: "میں نے کل رات مادام کو استعمال کیا اور اب ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔"

آنے والے دستور کے دیباچے کا پہلا رکن بھی یہی کہتا ہے: "سب آدمی برابر ہیں"۔ یہ جان بوجھ کر عورتوں کا ذکر نہیں کرتا۔ ماصنینی یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ عورتیں مردوں کے برابر ہو سکتی ہیں۔ ایک انیما کا ڈبا ایک آدمی کے برابر کیوں کر ہو سکتا ہے؛ اور کیا ہینیٹو نے خود اپنے پوتر شاستروں میں یہ بار بار نہیں کہا کہ عورتیں مردوں کے لیے کھیل کا میدان ہیں؟

مجھے ہینیٹو کے سنہری معبد کے چند پجاریوں سے ہینیٹوازم میں عورت کے درجے پر گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا۔ وہ سب زبانی تو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مذہب میں عورت کو مرد کے ساتھ برابر کا درجہ دیا گیا ہے مگر اسی سانس میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورت مرد کا ستر ڈھانپنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہ ایک درجے والا دعویٰ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ عمل میں دیکھا جائے تو عورت بہت حد تک آدمی کی قید میں ہے۔ ماصنینی مرد کہتے ہیں کہ یہ قید ان کے لیے اچھی ہے، ان کو پاک اور نیک رکھتی ہے اور غیر محرموں کی بُری نظر سے ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ماصنین میں ہر شادی شدہ آدمی غیر محرموں کے ہاتھوں نالاں ہے۔ یہ غیر محرم ہمیشہ دوسروں کی بیویوں کو

تاڑنے کے لیے کچھ کھوئے کھوئے اور اداس، بازاروں میں گھومتے نظر آتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ماضنینیوں کے نزدیک عورت کا دوسرا نام گناہ کی ترغیب ہے۔ گناہ سے مراد اس ملک میں ہمیشہ جنسی فعل کی خواہش یا اس کے ارتکاب سے لی جاتی ہے۔ خود نیک اور پارسا رہنے کا انھوں نے یہ حل سوچا ہے کہ عورتوں کو قید رکھا جائے تاکہ وہ باہر بازاروں میں نکل کر معصوم ماضنینیوں کو گناہ کی ترغیب نہ دیں۔ اکثر خاوند اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ باہر اس لیے نہیں لے جاتے کہ کہیں ان کے دوست ان سے بیویوں کو ادھار مانگنے کی کوشش نہ کریں۔ "مسٹر فلاں، اگر تم مادام کو استعمال نہیں کر رہے تو میں کچھ دن استعمال کے لیے ان کو لے جاسکتا ہوں؟" اس قسم کی درخواست کو ٹالنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے اور پھر جہاں دوستی کا معاملہ ہو۔ ماضنین بے حد بااخلاق قوم ہیں اور جنسی اختلاط ان کے لیے ایک خوفناک ترین گناہ ہے۔

جنسوں کی اس علیحدگی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ماضنین میں ہزاروں نوجوان، جو نامرم کہلاتے ہیں، ایسے نکلیں گے جنھوں نے اپنی ساری عمر میں اپنی ماں اور بہنوں کے علاوہ کسی اور عورت کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اس کا نفسیاتی اثر تباہ کن ہوا ہے۔ وہ عورتوں کے لیے جلتے ہیں مگر ساتھ ہی ان میں سے اکثر بچے پیدا کرنے کے عمل سے بدرجۂ اتم خائف ہیں۔

اس سلسلے میں مجھے ایک دلچسپ واقعہ بتایا گیا ہے۔ شترابا کے ایک مقامی کالج کے ہوسٹل کے طالبِ علموں کے لیے عورت اس درجہ ایک عجیب وغریب اور نایاب چیز ہو گئی تھی کہ ایک بار جب ایک سینیئر طالبِ علم نے جونیئروں کو فول بنانے کے لیے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھتے ہوئے یوں ہی "لڑکی!" کہا تو کئی جونیئر اس نایاب شے کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے دوڑتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ ان کو فول بنایا گیا ہے تو ان کی مایوسی دیکھنے کے لائق تھی۔

بازاروں میں اوّل تو یہاں عورتیں نظر نہیں آتیں اور اگر آتی ہیں تو اپنے اوپر چمکتے ٹین کا ایک "کیاسک" (kiosk) چڑھائے۔ یہ کیاسک چوکور اور ستون نما ہوتا ہے۔ اس کے اوپر ایک ہیڈ لیمپ ہوتا ہے اور سائیڈ پر ایک آٹومیٹک ہارن۔ اس کے نیچے چار چھوٹے ربڑ ٹائر کے پہیے ہوتے ہیں جو سائیکل کے اصول پر زنجیر اور گراری سے گھومتے ہیں۔ چلانے والے ہاتھ کے پیڈل

کیاسک کے اندر ہوتے ہیں۔ اس مشین کو "نامحرم پیپا" کہا جاتا ہے اور یہ خالص ماضنینی پیداوار ہے۔ در حقیقت یہی ایک مشین ہے جو ماضنین کی فیکٹریاں اس وقت خود بناتی ہیں۔

لیکن ہائی سوسائٹی میں عورتیں اب کیاسک استعمال کرنے سے انکار کر رہی ہیں۔ اس کے لیے ان کو ہینیٹو کے راہبوں، جنس زدہ نوجوانوں اور ان ماضنینیوں کے جنھیں لوگوں کے اخلاق کے محافظ کے نام سے پکارا جاتا ہے، آوازے سننے پڑتے ہیں۔ اور جب کسی عورت کے کیاسک اتارنے کی خبر آتی ہے، معبد کے راہبوں کے کہنے کے مطابق ہینیٹو کے چھٹے چہرے کے ماتھے پر ایک اَور شکن پڑ جاتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہینیٹو خود برھمچاری ہونے کی وجہ سے صنفوں میں جنسی میل کو برا اور قابلِ سزا سمجھتا ہو۔

بزفر ایک دفعہ ان ماڈرن عورتوں کے ایک کلب میں اپنی مونچھوں پر پلو دیے اور اسکرٹ اور نائلن جرابیں پہنے جا گھسا۔ عورتوں کی ایک میٹنگ ہو رہی تھی اور ان میں سے ایک اونچے چبوترے پر کھڑی، پُرجوش طریقے سے اپنی دوسری بہنوں کو بغاوت پر اکسا رہی تھی۔ "ہم مردوں کی محکوم کیوں رہیں؟ ہم وہ ہر کام کر سکتی ہیں جو مرد کر سکتے ہیں۔ ہم میں مصنف بننے کی قابلیت موجود ہے۔ ہم بھی وکالت کر سکتی ہیں۔ ہم بھی سائنٹسٹ ہو سکتی ہیں۔ آخر مرد ہم میں سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہیں؟ مردوں اور عورتوں میں آخر بہت معمولی سا فرق ہی تو ہے!" اس پر ہر ایک نے "چِیرز" دیے اور سارجنٹ بزفر جوش میں اپنے آپ کو اس درجہ بھول گیا کہ کپڑا مونچھوں سے چھوڑ، تالی بجا کر چلّایا: "اس معمولی سے فرق کے لیے ہرّے ہرّے ہرّے!" عورتیں اس کے ایک ایسی میٹنگ میں گھس آنے پر جو صرف عورتوں کے لیے تھی اور اس کو لوگوں کے اخلاق کے محافظوں کا جاسوس سمجھتے ہوئے بے حد جز بز ہوئیں اور بزفر کی مونچھیں دونوں طرف سے آدھ آدھ انچ کترنے کے بعد بڑی مشکل سے اس قدر پسیجیں کہ اس کو جانے دیا۔ اس واقعے کے بعد بزفر نے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کی کیوں کہ وہ مونچھوں کے معاملے میں بے حد حسّاس ہے۔

میری رائے میں جنسوں کی یہ "علیحدگی" بڑی حد تک عام ماضنینیوں کی روتی ہوئی شکل کی ذمے دار ہے اور اس بات کی بھی کہ یہاں حقیقی خوشی اور صحت مند قہقہے کی اتنی کمی ہے۔ چوں کہ

لڑکوں اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے کبھی ایک دوسرے سے مل بیٹھنے یا باتیں کرنے کا موقع شاذونادر میسر آتا ہے اس لیے وہ خود کبھی اپنی زندگی کے ساتھی منتخب نہیں کر سکتے۔ یہ مقدس فرض دونوں کے "پاپ" اور "مم" سرانجام دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر پاپ (باپ) اپنے لڑکے کے لیے دلھن چنے گا تو وہ اس کی اپنی پسند ہو گی جس کے متعلق وہ اپنے دل میں یہ خواہش رکھتا ہو گا: "اگر میری شادی نہ ہوئی ہوتی یا اگر میری بیوی (مم) مجھے دوسری شادی کرنے کی اجازت دے سکتی تو میں اس لڑکی سے خود بیاہ رچاتا۔ اب میں کمال قربانی سے اس کو اپنے لڑکے سے بیاہ دوں گا۔"

شادیوں کے موقعوں پر امیدوار دولھے بہت زیادہ قابلِ رحم اور گھبرائی ہوئی مخلوق ہوتے ہیں اور شادی کی پہلی رات کو اپنی مردانگی کے امتحان کی رات تصور کرتے ہیں۔ کسی لڑکی سے اکیلے روبرو ہونے کے تصور سے ان کی جان جاتی ہے۔ ماضنین میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شادی کے دن امیدوار دولھے کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور وہ کہیں روپوش ہو جاتا ہے۔ میرے دوست ایریل جونیئر نے مجھے بتایا کہ یہ وقوعہ عام پیش آتا ہے اور پچاس فی صدی ہونے والے دولھے شادی کے عین موقعے پر رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر تو عموماً پکڑدھکڑ کے پھر واپس لے آئے جاتے ہیں مگر بعض ایسے ہوتے ہیں جو پھر کبھی سننے تک نہیں جاتے۔ (وہ غالباً یا تو سرحد پار کر کے پہاڑی چوہوں کے ملک میں چلے جاتے ہیں جہاں وہ وہاں کے باشندوں کے خوراک کے مسئلے کو حل کرنے کے کام میں آتے ہیں اور یا کھلی ہوا کے عاشقوں میں شامل ہو کر نیچرلسٹ بن جاتے ہیں۔)

بیشتر نوجوان جو ذرا ہمّت والے ہوتے ہیں دل کڑا کر کے اس امتحان میں سے گزرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اس امتحان میں کامیابی کے لیے ماضنین کے شہروں کے مقامی جادوگروں کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں جن کی گولیاں، مرکبات اور سفوف بزدل سے بزدل نوجوانوں کو پانچ منٹ کے اندر اندر ہرکولیس کا چھوٹا بھائی بنا دیتے ہیں اور سنگ دل سے سنگ دل عورت کو ہمیشہ کے لیے موم کر دینے کی تاثیر رکھتے ہیں۔

ان حالات میں کوئی تعجب نہیں کہ ماضنین میں مستقل کنواروں کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ رہی ہے اور جہاں تک عورتوں کا معاملہ ہے وہ اپنے آپ کو سنکی بنائے ہوئے ہیں۔ "نامحرم

پیپے" کے سربستہ راز کے کشاد کے لیے ان کا پہلا تجسس بتدریج اور ناگزیر طریقے سے کچھ کچھ بے اعتنائی میں بدل رہا ہے۔ میرا دوست ایریل جونیئر اس بے اعتنائی کو زوان کی تیسری اور آخری منزل کا نام دیتا ہے اور ماضنین کے بیشتر تیس سال سے اوپر کے کنوارے اب اسی منزل میں ہیں۔

پانچواں باب

ماضنین میں ادب اور آرٹ

مجھے، پوپو پالنہار چوکا مانیفو کو، ادب سے بے انتہا لگاؤ ہے۔ میں نے خود بشتی زبان میں کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بعض یوکنا پوٹاوابا میں لاکھوں کی تعداد میں بکی ہیں اور میرے نام سے کئی دوسرے لوگوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ حقیقتاً میں یوکنا پوٹاوابا میں سیاست داں کی حیثیت سے اتنا معروف نہیں ہوا جتنا مصنف کی حیثیت سے۔ پچھلے ہی سال عزیز سارجنٹ بزفر نے میرے نام سے ایک ملٹری مینوئل لکھی تھی جس کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو موجودہ ملٹری سائنس کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا ہے۔ (اس کتاب پر ریویو، جو "بک بک" کے نام سے یوکنا پوٹاوابا کی ایک بین الاقوامی شہرت کی میگزین میں چھپا تھا اور جس میں مجھے ملٹری معاملات کا ماہر تسلیم کیا گیا تھا، خود میرا تھا۔)

اس لیے کہ یہ میرا چہیتا موضوع ہے، اور اس لیے بھی کہ کسی قوم کا ادب اس کے سماجی ڈھانچے کو تعمیر کرنے یا گرانے میں (جو موجودہ ادب کر رہا ہے) ایک اہم پارٹ ادا کرتا ہے، میں یہ چند صفحے ماضنینی ادب اور مصنفوں کے بارے میں اپنے تاثرات سے سیاہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

سب سے پہلا آدمی جس نے ماضنین میں کتاب لکھی اور جو ماضنینی ادب کا بانی بنا (کوئی نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا تھا اور اس نے کون سی کتاب لکھی تھی) ایک آدمی تھا جو غالباً اب مر چکا ہے۔ یہاں کی ادبی تاریخوں میں اس آدمی کو متفقہ طور پر ماضنینی ادب کا بانی بتایا گیا ہے۔

موجودہ مصنفوں میں دو قسم کے مصنف ہیں۔ پرانے اسکول کے مصنف اور نئے اسکول کے مصنف اور یہ فیصلہ کہ وہ پرانے اسکول کے ہیں یا نئے اسکول کے، مصنف خود کرتے ہیں۔ بیشتر نئے اسکول کے مصنف کہلانا قابلِ فخر سمجھتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے۔ ان دونوں اسکولوں کے مصنفوں کی چیخ چیخ اور آپس کی تُوتُو مَیں مَیں یہاں کے ادبی سِین کا ایک بہترین

تفریحی واقعہ ہے اور مقابلہ کرنے والے پٹھوں کی تکنیک دن بدن نکھر رہی ہے۔

یہ مصنف گروپوں میں کام کرتے ہیں۔ عموماً تین تین چار چار مصنف مل کر رسالہ نکالتے ہیں جس میں سب افسانے، آرٹیکل، خاکے ان کے اپنے ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے آرٹیکل لکھتے ہیں، ایک دوسرے کی کتابوں پر ریویو لکھتے ہیں، ایک دوسرے کا انٹرویو لکھتے ہیں، اور یہ سب کچھ بے حد دلچسپ ہوتا ہے۔ اگر تم بہترین افسانہ نگار، باغی ترین شاعر، زبردست تنقید نگار بننا چاہتے ہو تو تم کو ان گروپوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونا پڑے گا۔ باقی کام سہل ہوتا ہے اور اس کے لیے زیادہ وقت درکار نہیں۔ عموماً بہترین، باغی ترین، زبردست وغیرہ بننے کے لیے دو تین مہینے کافی ہوتے ہیں۔

نئے اسکول کے مصنفوں کے اس وقت پانچ طاقتور گروپ ہیں۔ وہ الگ الگ کام کرتے ہیں مگر جہاں پرانے اسکول کے مصنفوں کے منھ آنے کا وقت آتا ہے، یہ سب گروپ ایک حیران کن اشتراک کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

موجودہ ادب کی ابتدا اس لیے ہوئی کہ ماضنین میں عورتیں تھیں۔ جب ماضنینی عورتوں کا تصور کرتے تھے تو ان کے دل میں گدگدی ہوتی تھی اور کوئی گمنام سی چیز ان کے پاؤں کے انگوٹھے سے اوپر کی طرف سفر کرنے لگ جاتی تھی۔ بعض عورتیں جن کی وہ اپنے کوچے میں کبھی جھلک دیکھ پاتے تھے، ان کو بالکل دیوانہ اور گرویدہ کر دیتیں اور کئی کئی راتیں وہ یہ سوچتے رہتے کہ اگر وہ ان کو حاصل کر لیں تو وہ ان کے ساتھ کیا کیا حرکتیں کریں اور کیسے کیسے اپنے ارمان پورے کریں۔ میں نے پہلے ایک باب میں لکھا ہے کہ وہ قانونی اور جائز ذرائع مفقود تھے جن سے وہ عورتوں سے روبرو ہو سکتے اور اپنی حسرتیں اور ارمان نکال سکتے، اس لیے انھوں نے افسانے لکھنے شروع کر دیے۔ ان افسانوں میں وہ بلا دھڑک وہ سب باتیں لکھنے لگے جن کو عملی طور پر کرنے کے لیے نہ ان کے پاس مواقع تھے اور نہ ہمت۔ انھوں نے سونے کے کمرے کی بعض برہنہ ترین تفصیلات تک لکھ ماریں اور ان کے افسانے یہ تاثر دیتے تھے کہ ان کے لکھنے والے البیلے کاسانووا ہیں جن کے ہاتھوں میں عورتیں موم ہو جاتی ہیں، حالاں کہ وہ دراصل شرمیلے اور کالجوں سے نئے نئے فارغ شدہ لڑکے ہوتے تھے جنھوں نے عمر بھر کبھی کسی اجنبی عورت سے بات تک نہ کی ہوتی تھی۔

اس ادب کا ایک وقت بڑا چرچا رہا۔ ہر ایک اس کو لکھتا تھا، ہر کوئی اس کو پڑھتا تھا اور ہر ایک کی زبان پر اس کا ذکر تھا۔ اس زمانے کے بعض افسانوں "انگیا کے پیچھے" وغیرہ نے نوجوان ناصنینیوں میں ایک ہیجان بپا کر دیا اور کئی مصنف شہرہ آفاق کسبیوں کی طرح مشہور ہو گئے۔

پھر یک لخت ایک صبح ناصنینیوں کو بتایا گیا کہ یہ سونے کے کمرے کا ادب اصلی ادب نہیں اور اصلی ادب ان کے سامنے اب چنا جائے گا۔

ہوا یہ کہ وہ مصنف جو جنسی ادب لکھتے رہے تھے عمر کے تقاضے سے زوان کے تیسرے اور آخری درجے میں قدم رکھنے لگے تھے۔ انھوں نے عورت سے جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا "کر" لیا تھا اور اب زیادہ کرنے کی ان کو خواہش نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنی ابلتی ہوئی تخلیقی قوتوں کے لیے ایک اور راستہ دریافت کیا۔

انھوں نے کھلی ہوا کے عاشقوں کو دریافت کر لیا اور ان کا ان کو دریافت کرنا تھا کہ وہ ان پر پل پڑے۔ انھوں نے افسانے لکھے جن میں ہیرو کھلی ہوا کے عاشقوں میں سے ہوتا تھا اور جو آخر میں یا تو وسطی جوہڑ میں ڈوب مرتا تھا یا شہر کے پل کے نیچے سے ایک ہک سے رسی لٹکا کر پھانسی لے لیتا تھا۔ بعد کے افسانوں میں یہ ہیرو دلیر ہو گیا اور آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں کے گھروں میں جا کر قبضہ جمانے لگا۔ اس کے بعد کے افسانوں میں سے ایک میں تو ہیرو اتنا دلیر ہو جاتا ہے کہ بڑے کابو کو صدارت کی کرسی سے نیچے کھینچ کر خود اس پر بیٹھ جاتا ہے۔ کھلی ہوا کے عاشقوں کی تعریف میں نظمیں لکھی گئیں جن میں ان کو بتایا گیا کہ وہ وقت نزدیک ہے جب بینیٹو آدمی کے روپ میں ہاتھ میں بھالا لیے اور بھورے شیر پر سوار مشرق سے نمودار ہو گا اور ان کی سلطنت قائم کر دے گا۔ بعض نظموں میں ان کو صاف صاف یہاں تک اکسایا گیا کہ وہ فوراً گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ کر دیں اور بڑے کابو کو پکڑ کر بینیٹو کے بت پر بھینٹ چڑھا دیں۔ ایک نظم کا آخری بند ہے:

اعتراض اس کو نہ ہو گا بھینٹ چڑھنے سے
کیوں ہو!
وہ ہے بینیٹو کا پیارا، بینیٹو اس کا پیارا

جو مجھے کچھ کچھ احمقانہ معلوم ہوتا ہے۔

مگر کھلی ہوا کے عاشقوں کا تقریباً ہر فرد ان پڑھ ہے اور یہ سب فصاحت و بلاغت اس تک نہیں پہنچنے پاتی۔ اگر فرض کیا پہنچ بھی جائے پھر بھی مینیشو کا رعب اس کے قویٰ کو مفلوج کیے ہوئے ہے۔ اس نئے اسکول کے مصنفوں میں سے کئی فی الواقع پُرخلوص ہیں لیکن زیادہ تر وہ ہیں جو تسلیم کیے جانے کے خواہاں ہیں۔ یہ موخرالذکر میرے خیال میں محض تھرڈ کلاس ڈھنڈورچی ہیں جو سب سے زیادہ شور مچا کر اور سب سے اونچا چیخ کر لوگوں کو اپنی نیک دلی اور بھگتی کی دہائی دے رہے ہیں۔

یہ ہے نیا ادب۔ ان کے افسانے پڑھ کر کم از کم یہ فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا گروپ کہاں بیٹھ کر افسانے لکھتا ہے۔

ایک پیکارڈ کار گروپ ہے جو اپنے افسانے پیکارڈ کار میں بیٹھ کر لکھتا ہے۔ ایک گروپ افسانے ڈرائنگ روم میں سوفا سیٹ پر بیٹھ کر سنہری نب کے فونٹین پن سے لکھتا ہے۔ دو تین گروپ گندم، باجرے، گنے، شلغم وغیرہ کے کھیتوں میں بیٹھ کر لکھتے ہیں؛ ان کے افسانوں سے مختلف اناجوں اور سبزیوں کی خوشبو سونگھی جا سکتی ہے۔ ایک اور گروپ ہے جو "غسل خانہ گروپ" کہلاتا ہے۔ ان کے افسانے صابن اور بعض دوسری چیزوں کی باس دیتے ہیں۔ لاواٹری گروپ لاواٹری میں بیٹھ کر ادب تخلیق کرتا ہے۔

یہ سب گروپ ادب تخلیق کرتے ہیں۔ وہ سنجیدگی سے، مصمّم ٹھوڑیوں کے ساتھ، ادب تخلیق کرنے پر لگے ہوئے ہیں اور جتنی اہمیت اور انہماک اور یکسوئی سے یہ کام ماضنین میں ہو رہا ہے غالباً یوکناپوٹاوابا میں بھی نہیں ہوتا۔ یوکناپوٹاوابا میں تو صرف حکومت کا افسانہ ڈیپارٹمنٹ عوام کے لیے افسانے اور ناول بنانے کا مجاز ہے اور یہ ناول خاص مشینوں پر تیار کیے جاتے ہیں۔ ایک مختصر افسانہ جس پر پہلے مصنف کئی کئی گھنٹے صرف کیا کرتے تھے، اب تین منٹ میں افسانہ نگاری کی مشین بنا کر نکال باہر پھینکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں پرائیویٹ انٹرپرائز کے لیے کوئی موقع نہیں۔

اب میں آرٹ کے بارے میں چند سطریں استیزاد کروں گا۔ ماضنین میں چند پینٹر ہیں اور

دو تین سنگ تراش بھی۔ یہ سنگ تراش دراصل موم تراش ہیں۔ وہ موم کو کاٹنا اور اس پر کام کرنا زیادہ سہل اور آرٹسٹک سمجھتے ہیں۔ ماضنین میں پتھر کے صرف وہی مجسمے نظر آتے ہیں جو ہائپر بوری یہاں بنا کے چھوڑ گئے تھے۔ موم کے مجسمے پبلک اسکوائروں پر کہیں نصب ہوئے نظر نہیں آتے۔ صرف دکانوں میں میں نے موم اور پلاسٹک کے بنے ہوئے چند شیر دیکھے جن میں شیرانہ وقار کا نام تک نہ تھا۔

ماضنین میں سب سے بڑا آرٹسٹ پچ مچ ہے جو ایس اے ٹائمز کے اشتہاروں کے ڈیزائن بناتا ہے۔ اس کی سب سے مقبول ڈرائنگ ایک بے تحاشا موٹے آدمی کی ہے جس کے ایک ہاتھ میں مگدر ہے اور جو ایک چیتے کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا ہے۔ حال ہی میں اس نے اپنے خیالات کے اظہار کا ایک بالکل نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جس کو وہ لکیر اور نقطے کا طریقہ کہتا ہے۔ اس طریقے سے سیدھی لائنوں اور نقطوں کے ذریعے سے وہ اپنے خیالات ایسی خوبی اور لطافت سے کینوس پر منتقل کر سکتا ہے جو پرانے فیشن کی پوری تصویر میں ممکن نہیں۔ اس کی ان لکیروں اور نقطوں کی تصویروں کو سمجھنے کے لیے اس کے خیالات جاننا ضروری ہے جو ان کے محرک ہوئے اور جن کو وہ قابلِ فہم الفاظ میں بیان کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے۔ وہ ضرور ایک بہت بڑا آرٹسٹ ہوگا ___ ماضنین میں ہر ایک کا یہی خیال ہے۔ اس طریقے نے آرٹ کو اس قدر سادہ کر دیا ہے کہ اب ہر کوئی دو منٹ میں گھر بیٹھے آرٹسٹ بن سکتا ہے۔

چھٹا باب

یوکناپوٹاواہا میں انقلاب
دیواریں کیسے پھاندی جاتی ہیں

میں نے اتنی ساری جگہ ماضنین کی سماجی اور معاشی حالت کے بیان کو اس لیے دی ہے تاکہ جدید اور مستقبل کے تاریخ دانوں کو اس کم جانے ہوئے ملک کی زیادہ مکمل تاریخ مرتب کرنے میں مدد مل سکے۔ ایک ہزار سال بعد شاید میری رپورٹ کو بھی اسی اہمیت اور مستند حیثیت سے دیکھا جائے گا جو آج کل سفرنامہ نگار کو پولو اور ہومر کی "الیڈ" کو حاصل ہے اور میری پوشیدہ اور دبی ہوئی تمنا ہے کہ اس کو یوکناپوٹاواہا کی یونیورسٹیوں میں ایک ادبی اور تاریخی کلاسک کے طور پر پڑھایا جایا کرے۔ کچھ عجب نہیں کہ ایسا ہی ہونے لگے، مگر حقیقتاً میری دلی خواہش یہی ہے کہ دنیا مجھ کو مرنے کے بعد یوکناپوٹاواہا کی ری پبلک کے صدر کی حیثیت سے بھلادے تو بھلادے مگر میری تصانیف ــــ یعنی وہ کتابیں جن میں مجھے مصنف بتایا گیا ہے ــــ ضرور پڑھتی رہے۔

بہرحال پچھلے تین بابوں کو ۲۰۱۱ء کے ماضنین پر ایک مختصر رپورٹ تصور کیا جاسکتا ہے۔ میں اب پھر اپنی ذات کی طرف آتا ہوں اور اس سرگزشت کو اپنے قیام کے اٹھائیسویں دن کی نامبارک صبح سے شروع کرتا ہوں جب کاغذ کے ایک چھوٹے سے زرد پرزے نے مجھ کو اور سارجنٹ بزفر کو ایک ناقابلِ تصور، دل ہلادینے والی اور بالکل بےہودہ قسمت آزمائی کے ایک چکر میں گرفتار کردیا، اور ہمیں جن افسوسناک حالات سے سابقہ پڑا اور جو کچھ ہمارے ساتھ اس فلک ناہنجار نے (یہ ایک ماضنینی روزمرہ ہے) کیا، وہ سنگ دل سے سنگ دل پڑھنے والے کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کردے گا۔ ہماری ڈنر اور بھنگ پارٹیوں کی خوشنما پُرسکون دنیا ایک سہانے خواب کی طرح یک لخت ٹوٹ گئی اور، جیسا کہ آگے آئے گا، ہمیں گورنمنٹ ہاؤس سے اس عجلت اور بےعزتی کے ساتھ نکلنا پڑا کہ ہم اپنا بوریا بستر بھی نہ سمیٹ سکے۔

مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ میں ایک روز صبح گورنمنٹ ہاؤس کے باغ

میں بیٹھا طوفان سے پہلے کے ایک برطانوی شاعر ٹی ایس ایلیٹ کی نظموں کی کتاب پرندوں کو اس خیال سے سنا رہا تھا کہ شاید وہ اس کو مجھ سے زیادہ سمجھ سکیں، کہ سارجنٹ بزفر سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

سارجنٹ "ارلی برڈ" نہیں ہے اور میں اس کو دس بجے صبح سے پہلے بستر سے باہر اور بیدار دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ سارجنٹ اپنے چینی سیلپنگ سوٹ میں تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک زرد پُرزہ تھا۔ ظاہر تھا کہ سارجنٹ کی خبر اچھی نہیں اور یہ کہ کوئی بڑی آفت کسی جگہ نازل ہو گئی تھی۔

"کیا ہے سارجنٹ؟" میں نے ایک اتفاقی لہجے میں کہا۔ "مجھے تمھیں اتنی جلدی بیدار دیکھ کر تعجب ہوا ہے۔"

"ہم کہیں کے نہ رہے!" سارجنٹ بزفر نے مجھے زرد کاغذ دیتے ہوئے کہا۔ "ہمارا بالکل بینڈل کھنچ گیا ہے۔"

"ہُوا کیا؟ کیا بڑے کابو نے ہمیں زیادہ دیر مہمان ٹھہرانے سے انکار کر دیا ہے؟" میں نے عادت کے مطابق اور نادانستہ زرد کاغذ کو تہہ بہ تہہ لپیٹ کر اور مخروطی شکل دے کر اس کی نوک سے کان کے اندر کی میل نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، اس سے بھی بہت بری بات ہوئی،" سارجنٹ بولا۔ "یہ زرد کاغذ تار ہے جو ابھی ابھی سارجنٹ گُم نے یو کنا پوٹاوابا سے بھیجا ہے۔ یہ کوڈ میں ہے۔ یو کنا پوٹاوابا میں ریوولیوشن ہو گئی ہے۔ جنوب مغربی پارٹی نے سینٹ کے سب ممبروں اور حکومت کے وزرا کا صفایا کر دیا ہے اور حکومت خود سنبھال لی ہے۔"

"تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ جنوب مغربی کے لیے فیبر تھا اور وہ بھی اس وقت جب میں یہاں تھا؟ ... اور کچھ؟" میں نے ٹھنڈے طریقے سے پوچھا جیسے اس خبر نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا ہو۔

"اور یہ کہ یور آنر، تم اب یو کنا پوٹاوابا کے صدر نہیں ہو۔"

"یہ واقعی بڑی بُری خبر ہے بزفر!" میں نے تحمل سے اس پہاڑ کو اپنے سر کے اوپر تھامتے ہوئے کہا۔ "ان جنوب مغربی پارٹی والوں کا میں نے بگاڑا کیا تھا؟"

"یور آنر! میں نے تم کو کئی مرتبہ ان کے خلاف ہوشیار کیا تھا۔ ان کا لیڈر رومولو تم کو مطلق پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ تم کو بوڑھی کنواری چچی پوپو پالنہار چو کا مانیفو کہا کرتا تھا۔"

"یہ کہا کرتا تھا وہ گیدی؟" میں نے اپنے موروثوں کا بہادر گرم خون اپنی رگوں میں ابلتا ہوا محسوس کیا۔ "ہمیں فوراً راکٹ میں یوکنا پوٹاوابا پہنچنا چاہیے،" میں نے ٹی ایس ایلیٹ کو پھینکتے ہوئے کہا۔ "سارجنٹ، میرا بستر باندھو!"

"یور آنز! راکٹ یہاں پر رسیو کیے جا سکتے ہیں مگر یہاں سے ان کو چلانے کے لیے کوئی ٹیکنیکل انتظامات نہیں ہیں۔"

"اوہ، یہ ماضنینی!" میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو ہوائی جہاز؟"

"سرخ چین ایرویز کا ایک ہوائی جہاز یہاں ہفتے میں ایک بار اترتا ہے، اور وہ بھی یوکنا پوٹاوابا نہیں جاتا۔" سارجنٹ برفر نے بالکل ہمت ہار دی تھی۔

"بوڑھے آدمی بڑے کا بو کے پاس ہوائی جہاز ہو گا،" میں نے پُرامید ہو کر کہا۔ "شاید اس کو ہمیں اسے ادھار دینے کے لیے اکسایا جا سکتا ہے۔"

"اس کے پاس ہوائی جہاز نہیں ہے۔ اس کے پاس صرف ۱۹۵۲ء کی پیکارڈ ہے۔ افضل ترکا بو مرحوم کا ایک پروفیسر میسرشٹ ہوائی جہاز ہوا کرتا تھا مگر وہ اب اسٹیٹ میوزیم میں ہے۔"

"تو ہم پھر واپس کیسے جا سکتے ہیں؟ اسٹیم شِپ میں؟"

"اس سے تو تیس دن لگیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس پورا کرایہ بھی نہیں، اور کیوں کہ یور آنز، اب تم یوکنا پوٹاوابا کے صدر نہیں ہو، ماضنین میں یوکنا پوٹاوابا کے سفارت خانے سے بھی ایک روبل ملنے کی امید نہیں ہو سکتی۔"

"سارجنٹ بزفر، آدمی بنو، ہمت کرو! تم نے آج اپنے آپ کو بالکل قنوطی ثابت کر دیا ہے۔ تمھیں کہیں بھی امید نظر نہیں آتی۔ تم نے غالباً ابھی مسٹر پک وک کی پک می اَپ پِلز نہیں کھائیں؟"

"یور آنز! تم مذاق کر رہے ہو۔ میں کہتا ہوں پوزیشن بالکل نازک ہو چکی ہے۔ ابھی یہ خبر ایس اے ٹائمز کے پہلے صفحے پر فلیش ہو جائے گی: یوکنا پوٹاوابا میں ریوولیوشن، مسٹر رومولو کا

اعلان۔ مسٹر پوپو پالنہار چو کا مانیفو غاصب اور غدّار ہے اور اس پر غائبانہ مقدمہ چلایا جائے گا۔ ایس اے ٹائمز کے پاس ٹیلی پرنٹر ہے۔ دو گھنٹے کے اندر اندر سارے ماضنین کو معلوم ہو جائے گا کہ تم اب صدر نہیں رہے۔ یور آنر، ہم پھر کیا کریں گے؟ بڑا کابو ہمیں افسوس کے ساتھ پھاٹک دکھا دے گا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ رومولو کو خوش کرنے کے لیے اور یوکناپوٹاوابا سے اپنے ڈپلومیٹک تعلقات خوشگوار کرنے کے لیے تم کو اور مجھ کو زنجیریں پہنا کر قید میں ڈال دیں اور بعد میں رومولو گورنمنٹ کی درخواست پر ہمیں جنگی مجرموں کی حیثیت سے یوکناپوٹاوابا کو روانہ کر دیں۔"

"اہم!" میں نے ٹھوڑی کو کھجاتے ہوئے کہا۔ "پوزیشن فی الواقع بے حد نازک ہے۔ تمھارے پاس سگریٹ ہے؟"

اس نے مجھ سے کہا کہ وہ سگریٹ گورنمنٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم سے لا کر دے سکتا ہے جہاں چار پانچ ٹین ہر وقت کھلے ہوئے رکھے رہتے ہیں، مگر میں نے اس کو یہ تکلیف دینا گوارا نہ کیا کیوں کہ پوزیشن بے حد نازک تھی اور ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

"تو سارجنٹ، تمھارا کیا مشورہ ہے؟ کیا تم اس وقت اپنے صدر کے ساتھ ہو، جہنم میں اور جنت میں؟"

"...اور جنت میں۔ سارجنٹ بزفر تمھارے ساتھ ہے یور آنر!" اس نے ایک اسمارٹ فوجی سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں ہم نے گورنمنٹ ہاؤس کے برآمدے میں بڑے کابو کو اپنے لنگوٹے میں صبح کی تازہ ہوا کھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایس اے ٹائمز کا تازہ پرچہ تھا جس میں یوکناپوٹاوابا کی ریوولیوشن کی خبر ضرور آئی ہو گی۔ اس نے ہم کو فوراً فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کر دیا۔

"سارجنٹ، ہم کو یہاں سے بھاگنا پڑے گا، اور اسی وقت! پانچ منٹ میں بڑا کابو ہمیں قید کروا دے گا!"

"میں سلیپنگ سوٹ اتار آؤں اور..."

"نہیں سارجنٹ! میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ وقت مطلق نہیں۔"

ہم باغ کے درختوں کے پیچھے چھپتے چھپاتے بیرونی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ دو تین مالی اور سپاہی ہمیں ملے۔ چوں کہ ان کو یہ شک تک نہ تھا کہ ہم بھاگ رہے ہیں، وہ سلام اور سلیوٹ کر کے ہمیں باغ کی مکمل تنہائی سے لطف اندوز ہونے دینے کی خاطر دور ہٹ گئے۔

دیوار کے پاس پہنچ کر ہم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ دیوار نو فٹ اونچی تھی اور اس کو پھلانگنے کا سوال ٹیڑھا تھا۔ آخر میں سارجنٹ بزفر کے کندھوں پر کھڑا ہو کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔

"اب میں کس طرح اوپر چڑھوں؟" سارجنٹ بزفر نے شکایت آمیز لہجے میں کہا جیسے کوئی بچہ رونے کے لہجے میں کہے۔

اس کے لیے مجھے پھر باغ کی طرف چھلانگ لگانی پڑی۔ میں زمین پر اترتے وقت اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور لڑھک کر قلابازی کھاتا ہوا، جس قلابازی کا میرا مطلق ارادہ نہ تھا، سامنے ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اب کے میں نے سارجنٹ بزفر کو اپنے کندھوں پر کھڑا کیا اور میرے سہارے سے وہ دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔

"اور اب میں دیوار پر کیسے چڑھوں؟" میں نے پوچھا۔

میں یہ سوال کر ہی رہا تھا کہ سامنے سے ہیڈ شیف کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کو اس قسم کا شک گزرا یا نہیں کہ ہم بھاگ رہے ہیں، مگر میں نے معاملے کو دوسری طرح پیش کر کے اپنی حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔

"ناشتہ تیار ہو گیا؟ ہم ذرا کھلی ہوا میں ورزش کر رہے تھے۔ میری اور سارجنٹ کی شرط ہے،" میں نے معذرتاً کہا۔

ہیڈ شیف کچھ کچھ بوکھلا گیا، پھر شاید اس نے سوچا کہ بادشاہوں اور پریذیڈنٹوں کے عجیب عجیب خیال ہوتے ہیں۔ میں نے شیف سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے کندھے پر کھڑا کر کے دیوار کے اوپر چڑھنے میں مدد کرے ورنہ سارجنٹ بزفر مجھ سے بازی لے جائے گا۔ شیف قدرتاً پریذیڈنٹی بوجھ کو اپنے اوپر اٹھانے کی سعادت اور خوش نصیبی اور ہمارے کھیل میں شریک

ہونے کی عزت افزائی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے مجھے اپنے کندھے پر بٹھا کر اوپر دیوار پر پھلانگنے میں مدد دی اور میں نے اوپر چڑھتے وقت ایک دولتی سے شیف کو نیچے گڑھے میں گرا دیا۔ ابھی شیف اپنے حواس مجتمع نہ کرنے پایا تھا کہ میں اور سارجنٹ چھلانگ لگا کر دیوار کے دوسری طرف کھڑے تھے اور دوسرے لمحے بگ ٹٹ اس سڑک پر بھاگ رہے تھے جو سیدھی جوہرڈیو ہوٹل اور کھلی ہوا کے عاشقوں کی کالونی کی طرف جاتی تھی۔ (اس سڑک کا نام جوہرڈیو روڈ ہے اور یہ شترابا کی ایک ہی میٹلڈ روڈ ہے۔)

جوہرڈیو ہوٹل کے باہر کھڑی ہوئی چند دو ٹنگیوں اور گھوڑا گاڑیوں والوں نے ہمیں اپنی گاڑیوں میں سواری کرنے کے لیے آوازے لگائے مگر ہم کان دبائے اس طرح نکل گئے جیسے ہم نے سنا ہی نہ ہو، جیسے ہمیں گھوڑا گاڑیوں سے زیادہ دلچسپی نہ ہو اور موٹر ٹیکسیوں کو ترجیح دیتے ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے پاس پیسے نہ تھے، بلکہ سارجنٹ کے پاس تو ایک پائی نہ تھی۔ میری جیب میں ماضنینی کرنسی میں ساڑھے آٹھ روبل تھے جس سے ایک تلوار مارکہ سگریٹوں کا پیکٹ خریدا جا سکتا تھا۔ تلوار مارکہ سگریٹوں کے پیکٹ میں پچاس سگریٹ ہوتے ہیں (تمباکو اسپیشل کوالٹی کا گھر کے پچھلے باغیچے میں اگایا ہوا استعمال کیا جاتا ہے) اور ان کو کاغذ کی بجائے درختوں کے پتوں میں رول کیا جاتا ہے تاکہ ہر ایک چیز نیچرل رہے۔ کھلی ہوا کے عاشق ہمیشہ تلوار مارکہ سگریٹ پیتے ہیں کیوں کہ وہ سب نیچرلسٹ ہیں۔

ہم بینیٹو کے ایک عالی شان معبد کے پاس رکے جس کے سامنے ایک ننھی سی تمباکو کی دکان تھی۔ میں نے جیب ہلکی کرنے کے لیے دکان دار کی سفارش پر ے روبل کا ایک تلوار کا پیکٹ خریدا اور ایک روبل کے دو درخت کے پتے جن کو مختلف رنگوں سے رنگنے کے بعد ان میں لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تراشیں رکھ کر کھایا جاتا ہے اور جو فی الواقع نہایت محیر العقول چیز ہے، گو ہندی کو لکڑی کی تراشوں کو دانتوں سے پیسنے میں بے حد دقت ہوتی ہے۔

ہم نے پتے منہ میں ڈالے، تلوار سلگائے اور ستانے کے لیے معبد کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ اوپر سورج چمک رہا تھا اور میں کچھ کچھ سوچ رہا تھا کہ اگر آدمی یوکناپوٹاوابا کا صدر یا بڑا کا بو نہ بھی ہو تو بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے اور کچھ وقت کے لیے میں یہ بھی بھول گیا کہ میں اب کچھ بھی نہیں،

کہ بڑے کا بو کی پولیس میری گرفتاری کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہو گی، کہ سڑک پہ چلنے والے لوگوں میں ایسے کئی ہوں گے جو مجھے پہچان لیں گے۔

سارجنٹ بزفر نے کہا، "ٹوسٹ اور ایک آملیٹ مجھے اس وقت دنیا کی سب سے حسین ترین چیزیں لگ رہی ہیں۔"

بھوک مجھے بھی لگ رہی تھی اور ہم نے گورنمنٹ ہاؤس کے ہیڈ شیف کو کوسا کہ وہ ناشتہ اتنی دیر سے میز پر لگاتا ہے۔ سارجنٹ یہ بھول گیا تھا کہ اس میں ہیڈ شیف کا کوئی قصور نہ تھا؛ وہ خود اٹھتا ہی دس بجے تھا۔

"کیا تمھارے پاس کچھ پیسے ہیں؟" سارجنٹ بزفر نے پوچھا۔

"میرے پاس تھے،" میں نے جواب دیا، "اُس وقت جب میں نے تلوار اور پتے نہیں خریدے تھے۔"

"تو اب ہم کیا کریں؟" وہ غرّایا۔ "بھوکے مریں؟"

"اگر تم چاہو تو ہم ابھی واپس گورنمنٹ ہاؤس جا سکتے ہیں، سیدھے پھاٹک میں سے، اور بڑے کا بو کو بتائے بغیر ڈائننگ روم میں ناشتہ کھا سکتے ہیں۔"

"یہ بزدلانہ ہو گا،" بزفر نے کہا۔ "ایک اور طریقہ ہے۔ ہم کھلی ہوا کے عاشقوں میں شامل ہو جائیں۔"

میں بولا، "ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں ان کو بھوک نہیں لگتی۔"

"اگر یہ بات ہے تو یقیناً ایک ایڈوانٹیج ہے۔ میں ان کے لیڈر کو جانتا ہوں۔"

"کون ہے وہ۔ ورڈزورتھ؟"

"نہیں، وہ تو تین سو سال ہوئے مر گیا۔ وہ ماضینیی نہیں تھا۔ یہ ایک اَور شخص ہے، ایک شخص جو اپنے آپ کو کامرید کہتا ہے۔ اس کا اصل نام ہوت ہے۔"

"ہَوت یا ہُوت؟"

"نہ ہَوت اور نہ ہُوت، بلکہ ان دونوں آوازوں کے کچھ بیچ میں۔" سارجنٹ نے مجھے دو تین دفعہ تلفظ صحیح ادا کر کے بتایا۔ "تو ہم اس شخص ہوت سے ملیں گے، مگر یہ تلوار کے سگریٹ چھپا

لو۔ وہ ان کو ادھار مانگ لیا کرتا ہے۔ ان کو پسند کرتا ہے۔ وہ کسی قدر... وہ دیکھو ہوت... سامنے۔"

ہمارے سامنے، جہاں آسمان کو چھونے والوں کی قطار کے خاتمے پر وسطی جوہڑ کا مغربی حصہ نظر آ رہا تھا، ہوت اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی جوہڑ کے کنارے سے گھاس اور مرے ہوئے کیکڑے اکٹھے کر رہے تھے۔

سارجنٹ بزفر نے اپنے منہ کے آگے اپنے دونوں ہاتھوں کا پیالہ سا بنا کر آواز لگائی:

"ہوت! ہوت!"

ہوت نے مڑ کر ایک مدافعانہ سی نظر سے ہمیں دیکھا۔ وہ ایک مضبوط بھاری اعضا کا شخص تھا اور اس کے چہرے پر ایک رعب سا تھا۔ ظاہراً وہ ایک سوشل ٹائپ نہ تھا۔

"تم کون ہو؟" ہوت وہاں سے چلایا۔ "کیا تم آسمان کو چھونے والوں میں سے ہو یا کابوؤں میں سے ہو؟"

"سارجنٹ بزفر! میں سارجنٹ بزفر ہوں۔"

"اوہ، سارجنٹ بزفر!" ہوت کے چہرے پر ایک صلح جُو سا رنگ آیا۔ "اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا بڑے کابو نے تم کو گورنمنٹ ہاؤس سے نکال دیا ہے؟ اور یہ دوسرا نیلے سوٹ والا شخص... اسے بھی میں نے دیکھا ہوا ہے۔"

"یہ مسٹر پوپو پالنہار چوکا مانیفو، صدر یوکنا پوٹاوابا ہے،" سارجنٹ بزفر نے اس کو نزدیک آنے پر بتایا۔ "یوکنا پوٹاوابا میں ریولیوشن ہو گئی ہے اور وہ مسٹر پوپو کی اب وہاں ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ اس وقت بے کار ہے، اور میں بھی۔"

میں نے ہوت سے مصافحہ کیا اور اس کو کچھ کچھ پسند کرنے لگ گیا۔ ہم نے ہوت کو اپنا پورا حال بتایا اور اس سے کہا کہ ہم کھلی ہوا کے عاشقوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس کو کمیٹی کے سامنے پیش کرے گا۔ اس کا فیصلہ صرف کمیٹی کرتی ہے، اور وہ صرف سیکریٹری ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوت نے کہا، "مجھے تلوار کی بو آ رہی ہے!" اور وہ میرے کوٹ کو سونگھنے لگا۔

میں نے تلواروں کا پیکٹ نکال کر اس کو پیش کیا۔ اس نے چھ سات سگریٹ اس میں سے نکال لیے۔ ایک خود سلگایا اور باقی اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔

"مسٹر پوپو،" ہوت نے کہا، "مجھے تمھارے ساتھ ہمدردی ہے۔ کیا میں کسی کام آ سکتا ہوں؟"

"مجھے دو ٹوسٹ اور ایک آملیٹ کہیں سے لا دو،" بزفر بولا۔

"ہم کھلی ہوا کے عاشق ایک دوسرے سے خوراک کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کو اچھے اخلاق میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ایک آدمی کچھ کھائے یا نہ کھائے، یہ بالکل اس کا ذاتی معاملہ ہے۔" پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں ایک مرا ہوا گیکڑا دے سکتا ہوں۔ جو برڑ کی گھاس کے ساتھ یہ ایک لذیذ ڈش بناتا ہے۔"

سارجنٹ بزفر نے کہا، "ہمارا مذہب تم ماضنیوں کے مذہب کی طرح مُردہ جانوروں کو کھانے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور جو تم کھاتے ہو زندہ ہوتے ہیں؟" ہوت اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر ہنسا جو، یہ دیکھ کر کہ ان کا لیڈر ان سے ہنسنے کی توقع کر رہا ہے، خوب دل کھول کر ہنسے۔

"اچھا مجھے اب اجازت دو،" ہوت نے کہا۔ "میرا یہ کھانے کا وقت ہے۔ کمیٹی شام کو اس سامنے والے بڑ کے درخت کے نیچے میٹنگ کرے گی۔ میں خود تمھارے کیس کی پُرزور سفارش کروں گا۔ اور ویسے میرا ایک مشورہ ہے۔ مسٹر پوپو! تلواروں کا پیکٹ ساتھ لانا مفید رہے گا۔ کمیٹی کے ممبروں کو ایک ایک سگریٹ تمھارے انتخاب کے مواقع کو زیادہ روشن کر دے گا۔"

ہوت اور اس کے ساتھی چلے گئے۔

ساتواں باب

عطر بازار کا ایک درزی

ایک شیر نے چیف آف بنگاؤ کو کیا کیا

جیسا کہ میری رپورٹ سے واضح ہو گیا ہو گا، میں نے اٹھائیس دن کا عرصہ سو کر نہیں گزارا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے تھے اور ایک تاریخ داں اور عوامی سیاست داں کی حیثیت سے ماضنین کی سماجی اور تمدنی زندگی کا ہر ممکن پہلو سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے ماضنین کے حکام کے بیان کو کہ یہاں دودھ کی دو نہریں ہیں یا یہ کہ ماضنین کے لوگوں کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ ان کی سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ اس کو کیسے خرچ کیا جائے، کنفیوشس کا صحیفہ نہیں سمجھ لیا تھا۔ میں ہمیشہ ظاہر کے پیچھے اصل تک پہنچنے کی سعی کرتا رہا اور یہی میرے نزدیک ہر سچے مورخ کا فرض ہے۔ اس کام میں سارجنٹ بزفر نے میری بے حد مدد کی۔ جب میں ڈپلومیٹک وجوہات کی بنا پر وہی کچھ دیکھ، سونگھ اور کھا سکتا تھا جو میرے مہربان میزبان چاہتے تھے کہ میں دیکھوں، سونگھوں اور کھاؤں، سارجنٹ بزفر ایک عام شہری کی طرح شترابا میں پھرتا اور آزادی سے ہر درجے اور ہر قسم کے آدمی سے راہ ورسم پیدا کرتا تھا۔ اس کتاب کی بیشتر انفارمیشن اس کی جمع کی ہوئی ہے۔ اس میں مزاح کی ایک تیز حس ہے اور وہ بہت جلدی دوست بنا لیتا ہے۔ اس نے شترابا کے ریستورانوں میں چکر لگائے، بھنگ اور چرس کے کلبوں میں گیا اور چار پانچ دفعہ فرسٹ ہینڈ تجربے کے لیے رنگے ہوئے ہونٹوں والیوں کے کوچے میں بھی پہنچا۔ اس کی کامریڈ ہوت سے ملاقات پہلے پہل اسی رنگے ہوئے ہونٹوں والیوں کے کوچے میں ہوئی تھی جہاں کامریڈ ستار کی گت پر بھرے مجمعے میں ایک گیت گا رہا تھا۔ اس گیت کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ دنیا میں کھلی ہوا کے عاشقوں کو آرام نہیں ملتا۔ لوگ اس کی طرف پیسے پھینک رہے تھے جو وہ اپنے باؤلر ہیٹ میں جمع کرتا جاتا تھا۔ گیت گا چکنے کے بعد جب وہ کالونی کی طرف جانے لگا تو سارجنٹ بزفر نے اس میں رومانس اور راز پا کر اسکا پیچھا کیا تھا۔ کامریڈ اپنے پیسوں سے بھرے ہوئے باؤلر کو آگے کیے ہوئے تھا اور جب وہ کسی کھلی ہوا کے عاشق کے سامنے سے گزرتا تو رک جاتا اور باؤلر ہیٹ

میں سے ایک روبل اس کی ہتھیلی یا پیالے میں رکھ کر ایک لفظ کہے بغیر آگے چل پڑتا۔ جب اس کا باؤلر خالی ہو گیا تو اس نے اس کو سر کے اوپر پہن لیا۔ سارجنٹ بزفر نے آخر آگے بڑھ کر اس کی اس عجیب حرکت کی وجہ پوچھی۔ کامریڈ نے کہا کہ وہ سیکریٹری ہے اور سیکریٹری کی حیثیت سے اسے یہ کرنا پڑتا ہے؛ یہ ریگولیشن ہے۔ اس کے بعد سارجنٹ اور کامریڈ میں باتیں ہوئیں اور وہ دونوں آپس میں گہرے دوست بن گئے۔ سارجنٹ بزفر نے مجھے بتایا کہ یہ کامریڈ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کا آدمی تھا اور اس کا باپ ایک پورے آسمان کو چھونے والے کا مالک تھا۔ پھر ایم اے کرنے کے بعد اچانک اس کا دماغ چل گیا۔ اس نے کھلی ہوا کے عاشقوں میں شمولیت اختیار کی اور زندہ رہنے کے لیے یہ عجیب پیشہ اختیار کر لیا۔

کامریڈ کے چلے جانے کے بعد بزفر اور میرے سامنے سب سے مقدم خیال خوراک کا تھا اور میں نے بزفر سے پوچھا، "تم نے اپنے چکروں میں اور بھی تو کئی دوست بنائے ہوں گے۔"

"ہاں، عطر بازار میں ایک ٹیلر ماسٹر میرا دوست ہے جو میرے خیال میں ہماری مدد کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ اس کا باپ یوکناپوٹاوابا کا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس تک پہنچیں کیوں کر۔ عطر بازار میں ہمارا جانا خطرناک ہے اور ہم فوراً پہچان لیے جائیں گے۔"

بینیٹو کے معبد کی سیڑھیوں پر کچھ کھلی ہوا کے عاشق بیٹھے بھیک مانگ رہے تھے: "بینیٹو کی خاطر"، "بینیٹو تمھاری بیوی کو ہمیشہ ہرا رکھے"، "بینیٹو تم کو ایک شادی اور کرنے کی توفیق دے"، "بینیٹو تمھارے آسمان کو چھونے والے کو آسمان کو پھاڑنے والا بنا دے۔" مجھے خیال آیا کہ ہم بھی بھیک مانگیں۔ میرے سر پر ایک باؤلر تھا، مگر سارجنٹ بزفر نے کہا، "ہمیں کوئی ایک پائی بھی نہ دے گا۔ ہماری کوالی فی کیشن کافی نہیں۔ ہم جوڑ پٹھے کے مضبوط نہیں۔ ہمیں کوئی خوفناک بیماری اور کریہہ زخم نہیں۔ اور پھر ہم فارنر ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو فارنرز سے بیر ہے اور وہ سمجھیں گے کہ ہم بھیک مانگ کر ان کو ایکسپلائٹ کر رہے ہیں۔"

میں نے بزفر سے اتفاق کیا۔ نہیں، کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈنا پڑے گا۔ پھر ابھی ہمارے پاس بھیک مانگنے کا اجازت نامہ بھی نہ تھا۔ ہم ابھی باقاعدہ طور پر پارٹی کے ممبر بھی نہ تھے۔ (یہ اجازت نامہ بھی کھلی ہوا کے عاشقوں کی پارٹی دیتی ہے۔)

اچانک مجھے ایک اور خیال سوجھا۔ دو ٹنگی بن کر کچھ کمایا جا سکتا ہے۔ دو ٹنگیاں شترایا کی ٹرانسپورٹ نمبر ا ہیں۔ وہ معزز آدمیوں اور آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں کو اپنی پیٹھ پر لاد کر گھنٹے کے حساب سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ سڑک کے پرلی طرف کئی دو ٹنگیوں والے سواریوں کے انتظار میں ٹھہرے تھے۔ سوکھی ٹانگیں، آگے کو دانستہ جھکے ہوئے اور بازو آگے بے سکت انداز میں ڈالے ان کی پیٹھوں پر نمبر ٹیٹو ہوئے ہوتے تھے۔ میں نے سارجنٹ بزفر کو یہ تجویز پیش کی۔ اس نے کہا یہ کافی اچھی ہے، اور میں سارجنٹ کو، جو بہت زیادہ تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا، معبد کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا چھوڑ کر دو ٹنگی والوں کے پاس اسی انداز میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

آخر ایک سواری ٹہلتی ہوئی میری طرف آئی اور میرے اوپر پھلانگ کر چڑھ بیٹھی۔ "چال دکھا!" سواری نے کہا۔ "میں عطر بازار جانا چاہتا ہوں۔"

"عطر بازار!" میں نے کہا۔ "معاف کرو، میں وہاں نہیں جا رہا۔ وہ میرے لیے ممنوعہ علاقہ ہے۔"

"ممنوعہ علاقہ!" وہ بڑبڑاتا ہوا اتر گیا۔ "ممنوعہ علاقہ!" اس کی پیاری نوک دار ڈاڑھی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں نے اس کو کہیں دیکھا ہے۔

وہ مجھے کچھ کچھ گہری نظر سے دیکھنے لگا۔ میں سر نیچے کیے کھڑا تھا اور سر کو اپنی چھاتی میں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جھک جھک کر مجھے نیچے سے دیکھنے لگا۔ "مسٹر پوپو!..." اس نے کہا۔

میں نے "سی" کہہ کر اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے اونچا بولنے سے روک دیا۔ "ہاں، میں پوپو پالنہار چوکا مانیفو ہی ہوں، مگر خدا کے لیے اونچا مت بولو۔ تم کون ہو؟ تم وہی درزی تو نہیں جو عطر بازار میں دکان کرتے ہو؟" اس کے نقوش اور آنکھوں کا رنگ صاف اسے یوکنا پوٹاوابا کا بتا رہے تھے اور میں نے یہ جانتے ہوئے کہ یوکنا پوٹاوابا کے زیادہ باشندے ماضنین میں نہیں، قیاس دوڑایا کہ ہو نہ ہو یہ وہی ٹیلر ماسٹر ہے جس کا بزفر نے ذکر کیا تھا۔

"ہاں میں باشا برٹنگ ہی ناٹی کی چھو، کپڑوں کا کٹر ہوں اور آپ کا نوکر! آپ کا یہاں ہونا اور دو ٹنگی بن کر کھڑا ہونا ضرور کوئی راز کی بات ہے۔ لیکن آپ کو پولیس سے محتاط ہونا چاہیے

کیوں کہ جہاں تک میرا خیال ہے آپ کے پاس نمبر نہیں۔"

میں نے اقرار کیا کہ نمبر تو میرے پاس نہیں ہے۔

"واہ وا! وہ میرا دوست بزفر ہے،" اس نے بزفر کو پہچانتے ہوئے کہا جو گھٹنوں میں سر دیے ایک بت کی طرح سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ "اوہ ڈیر! ڈیر! وہ اپنے سونے والے فرغل میں ہے۔ کتنی شیم ہے!"

ہم دونوں سیڑھیوں کی طرف گئے اور میں نے بزفر کو کان سے پکڑ کر سر گھٹنوں کے بیچ میں سے اٹھانے پر اکسایا۔ اپنے دوست کٹر کو دیکھ کر اس کا ڈھلا ہوا چہرہ کھل گیا جیسے اس نے دو ٹوسٹ اور آملیٹ پا لیے ہوں۔ ہم نے آخر باشا بڑنگ ہی ناٹی کی چھو کو اس ساری بے ہودہ سچوئشن سے آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ ہم کیوں اب واپس گورنمنٹ ہاؤس میں نہیں جا سکتے۔

"اچھا، تو تم اب یو کنا پوٹاوابا کے صدر نہیں ہو۔ یور آنر! تم ملک کے غدّار ہو اور میں غدّاروں کی پروا نہیں کرتا۔ مگر چوں کہ تم میرے ملک کے شہری ہو، میں تم پر جاسوسی نہیں کروں گا۔ اور یہ رہے چار روبل۔ گڈ لک!" یہ کہہ کر یو کنا پوٹاوابا کا یہ شہری اور عطر بازار کا شہرۂ آفاق کٹر ایک دو ٹنگی پر چڑھ کر ہم سے مصافحہ کیے بغیر رخصت ہو گیا۔

ہم نے پاس ہی ایک آدمی سے، جو کندھے پر ایک بڑی لکڑی کی ترازو لٹکائے تھا جس کے پلڑے زمین کو چھوتے تھے، چار روبل کے بُھنے ہوئے چنے لیے اور ان کو بے انتہا لذیذ پایا۔

بھنے ہوئے چنوں سے طاقت اور سکت پا کر ہم نے سیڑھیوں سے حرکت کرنے کی ٹھانی۔ بینیٹو کا معبد بہت زیادہ لوگوں کی عام گزرگاہ کی زد میں تھا اور دوسرے بعض کھلی ہوا کے عاشق ہمارا وہاں بیٹھنا پسند نہیں کر رہے تھے۔

"اِن دونوں کو یہاں بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے!" ایک لمبے سفید بالوں والا بوڑھا جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی اور ناک ٹوٹی ہوئی تھی، بڑبڑایا۔ "جب وہ پارٹی میں نہیں ہیں تو ان کو کیا حق ہے؟ اجازت نامہ دکھاؤ۔"

میں اور بزفر ہمیشہ دوسرے لوگوں کے احساسات کا احترام کرتے ہیں، اس لیے ہم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جوہڑ کے اطراف سے ہو کر اس پہاڑی کی طرف چلنے لگے جس پر افضل تر

کابو کی سمادھی ہے۔ ہمارا اس پہاڑی پر چڑھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کیوں کہ وزیروں میں سے اکثر ایک دو یہاں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ ہم اس پہاڑی کا چکر لگا کر گورنمنٹ چڑیا گھر کی طرف نکل جانا چاہتے تھے کیوں کہ سرکلر روڈ کی نسبت یہ کافی شارٹ کٹ تھا۔ سمادھی پر کئی معتبر لوگ موجود تھے اور چوں کہ ہم ان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے ہمیں امید تھی کہ وہ بھی ہمیں نہ دیکھنے کا اخلاق برتیں گے لیکن ہم تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ اوپر سے کسی نے ہمیں زور سے آواز دی۔ ہم نے یہی ظاہر کیا جیسے ہم نے سنا ہی نہیں اور تیز رفتاری سے قدم بڑھانے لگے۔ پھر آواز آئی:
"مسٹر پوپو پالنہار چوکاما نیفو!" اور اتنے زور سے کہ نادانستہ طور پر میں نے اوپر کو دیکھ ہی لیا۔

پہاڑی کے اوپر بڑا کابو ایک سیاہ فرغل پہنے اور ہاتھ میں ایک چھوٹی بین لیے ایک پھولے ہوئے بڑے چمگادڑ کی طرح نظر آرہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت وہ فرغل کے پر بنا کر اڑتا ہوا ہم پر جھپٹ پڑے گا۔ اس کے ساتھ چھوٹا پرندہ نما پرائم منسٹر تھا اور ایک اور ڈاڑھی والا خوفناک شخص جس کے ننگے بدن پر حیاسوز ٹیٹوؤں کے نشان تھے اور جس کی ناک میں سے آرپار گزرتا ہوا ایک لمبا گز اپنے دونوں سِروں پر دو مری ہوئی مچھلیوں کو متوازن کیے ہوئے تھا۔ یہ شخص، مجھے بعد میں معلوم ہوا، سلطان آف بنگاؤ اسٹیٹ (رقبہ ساڑھے چار مربع میل، کل آبادی پانچ آدمی، ساٹھ عورتیں، چالیس بھینسیں اور لاتعداد سانپ) تھا اور ماضنین کے ملک کو وزٹ کرنے آیا تھا۔ اسے پہنچتے ہی پہلے افضل تر کابو کی سمادھی پر لایا گیا تھا تا کہ وہ اپنے حلیے سے ارد گرد منڈلاتے ہوئے بڑے بھوتوں کو ڈرا بھگائے۔ اس نے سمادھی پر چند منتر پڑھے جو دوسرے دن اوریجنل بنگاوی حروف میں ایس اے ٹائمز میں چھاپے گئے اور معزز سلطان کو بنگاوی کے ایک مشہور شاعر کی حیثیت سے روشناس کرا گئے۔

میں نے سارجنٹ سے کہا کہ وہ جوتیاں ہاتھ میں لے اور زور سے بھاگے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم ایسے تیز بھاگے کہ ساری عمر نہ بھاگے ہوں گے۔

راستے میں ہماری دو تین آدمیوں سے ٹکریں ہوئیں اور ہم نے ان کو ٹھوڑیوں پر بھنا دینے والے زناخ گئے رسید کیے۔ ہم ہانپتے ہوئے آخر چڑیا گھر پہنچے جہاں ہم نے اپنے آپ کو لوگوں کے مجمعے میں مدغم کر لیا۔

چڑیاگھر میں بعض نئے جانور چین وغیرہ سے لائے گئے تھے۔ ان میں ایک بن مانس تھا جس نے سارجنٹ بزفر کو دیکھتے ہی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ___ ہر کوئی بزفر کو پسند کرتا ہے۔ یہ بن مانس میرے خیال میں ذرا سارجنٹ کی مونچھوں سے کھیلنے کا آرزومند تھا مگر سارجنٹ کا اس کی طرف انداز ویسا برادرانہ نہ تھا جیسا بن مانس کا سارجنٹ کی طرف تھا۔

باقی شیر وغیرہ بوڑھے تھے اور پلاسٹک کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اود بلاؤ وغیرہ مزے سے بیٹھے خوب پیسے کمار ہے تھے (جو لوگ ان کو پانی میں پھینکتے تھے)۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ کتنا اچھا ہوا گر میں ان اود بلاؤوں کو دوست بنا سکوں اور ان کو اپنی انکم میرے ہاتھ میں دے دینے پر اکسا سکوں، مگر سارجنٹ بزفر کا خیال ہے کہ اود بلاؤ محبت اور دوستی کی قدر کرنے والا حیوان نہیں اور روپے پیسے کے معاملے میں زیادہ کھلا ہاتھ نہیں رکھتا۔

ہم بندر دیکھنے گئے۔ وہاں ایک بھورے بڑے میاں نے، جس کی شکل کی سلطان آف بنگاؤ سے حیرت انگیز مشابہت تھی، سلاخوں میں سے پنجہ نکال کر میرے سر سے میرا باؤلر ہیٹ اتارنے کی کوشش کی، جس کو سارجنٹ بزفر نے ایک نہایت اچھا مذاق خیال کیا اور اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ تین چار گھنٹے بعد سارجنٹ بزفر نے گھڑی دیکھی۔ "ساڑھے چار بج گئے ہیں، اور پانچ بجے میٹنگ ہے۔"

"اوہ! میں کھلی ہوا کے عاشقوں کی میٹنگ کو بھول ہی گیا تھا۔ چلو!" میں بولا۔ چڑیاگھر سے باہر جاتے وقت ہم نے سلطان آف بنگاؤ کو اپنے اسٹاف سمیت اندر آتے ہوئے کراس کیا۔ یہ ہماری اس سے آخری ملاقات تھی کیوں کہ بڑے کا بو کے حکم سے اسے (مع اسٹاف کے) ایک شیر کے پنجرے میں دھکیل دیا گیا تھا اور شیر نے اس کو (مع اسٹاف کے) کھا لیا تھا۔

آٹھواں باب

کھلی ہوا کے عاشقوں کی مجلسِ عاملہ کی میٹنگ

جب ہم پہنچے تو کمیٹی کا اجلاس شروع ہو چکا تھا اور ایجنڈے کے پہلے ریزولیوشن پر بحث ہو رہی تھی۔ یہ ریزولیوشن ایک اٹھارہ سالہ ممبر کی پیش کردہ تھی۔ اس کا ملخص یہ تھا کہ بینیٹو نے اپنے آپ کو دیوتا بننے کا اہل ثابت نہیں کیا بلکہ اس نے ہمیشہ ان کے مقاصد کے حصول کے موقعے پر اپنے آپ کو بڑے کا ہو اور حکومت کے ہاتھ میں ایک موم کی ناک بننے دیا ہے، اس لیے ایسے بینیٹو کو اب گدی سے اتار دینا چاہیے۔

نوجوان ممبر سب ریزولیوشن کے حق میں تھے۔ ان کا یقین تھا کہ بینیٹو ایک بوگی ہے اور ایک محض نکھد دیوتا ہے۔ بعض بوڑھے ممبر اس عمل کی عقل مندی کے بارے میں تذبذب میں تھے۔ ان کی توجیہ یہ تھی کہ بینیٹو نے ماضیں پر اتنے ہزار سال حکومت کی ہے، کیا اس کو اب تخت سے اتارنا درست ہوگا اور اگر اس کو اتار دیا گیا تو وہ اور تخت پر کس کو بٹھائیں گے۔

نوجوان ممبر کہتے تھے کہ یہ معاملہ کہ بینیٹو کا وارث کون ہوگا، اتنا اہم نہیں۔ کامریڈ ہوت اس وقت تک ایکٹنگ دیوتا یا ریجنٹ کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے جب تک ایک نیا دیوتا نہیں چن لیا جاتا۔

اس ریزولیوشن پر جب ووٹ لیے گئے تو چالیس ووٹ بینیٹو کی معطلی کے لیے تھے اور صرف بیس قرارداد کے خلاف۔ میٹنگ کے صدر نے، جو اپنے گنبد نما سر اور گھنیری بھنوؤں کے ساتھ روسی لینن کی تصویروں کی جھلک دیتا تھا، زمین پر تین دفعہ ٹکہ مار کر اعلان کیا کہ یہ قرارداد پاس ہو گئی ہے اور قانون کا درجہ پا گئی ہے۔

"اور پیشتر اس کے کہ ہم اگلی قراردادوں پر بحث شروع کریں میں اس کو اسٹیٹیوٹ بک پر ریکارڈ کر لوں،" اس نے کہا۔

اسٹیٹیوٹ بک بڑ کے درخت کا تنا تھا جس کی چھال نیچے سے اتری ہوئی تھی۔ اس نے اپنا

قلم تراش چاقو اپنی قمیص کی جیب میں سے نکالا (اس کا لباس صرف ایک قمیص ہی تھا) اور درخت کے تنے پر کھلی ہوا کے عاشقوں کے اس نئے اور اہم ترین قانون کو انگریزی حروف میں کھودنے لگا۔

اس میں اس کو کچھ وقت لگا۔ میں ہوت کی صبح کو دی ہوئی ہدایت کے مطابق اب اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ایک کر کے ان سب آنریبل ممبروں کو اپنا تلوار کا پیکٹ پیش کیا۔ ان میں سے بعض نے انکار کر دیا (وہ وہ تھے جنھیں رشوت نہیں دی جا سکتی تھی، بالکل نہیں) مگر زیادہ تر نے ایک ایک سگریٹ نکال لیا۔ ان میں سے شکریہ کسی نے ادا نہیں کیا۔ یہ نہیں کہ وہ مہذب نہیں تھے بلکہ وہ اس کو (جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے) اس لفظ سے خواہ مخواہ زیرِ بار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تین چار نے دو سگریٹ لیے۔ ایک تو انھوں نے فوراً سلگا یا اور دوسرا کان کے اوپر اٹکا لیا۔ میں نے اب اپنے سارے سگریٹ ختم کر دیے تھے اور نئے پیکٹ کے خریدنے کی مستقبل قریب میں کوئی صورت نہ تھی۔ پریزیڈنٹ اب پہلا قانون اسٹیٹیوٹ بک پر درج کر کے پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا تھا۔

دوسری قرارداد ہمارے انتخاب کے بارے میں تھی۔ اسے کامریڈ ہوت نے خود پیش کیا۔ اس کے الفاظ اس قسم کے تھے۔ یہ دو اشخاص جو کل اپنے ملک کے کابوؤں میں تھے اور جن میں ایک وہ نیک دل شخص ہے جس کے تلوار سگریٹ اب تم پی رہے ہو اور دوسرا وہ شخص ہے جو اب تک سلیپنگ سوٹ میں ہے اور اس وقت تک سلیپنگ سوٹ میں رہے گا جب تک کہ اس کو نئے کپڑے نہیں ملتے یا جب تک کہ سلیپنگ سوٹ اس کے بدن سے اتار نہیں لیا جاتا..."

"اتار لو، اتار لو!" نوجوان طبقے نے تائید کی۔

کامریڈ ہوت نے ممبروں کی خواہ مخواہ شوریدہ ہو جانے کی عادت کو مطعون کیا اور اپنی قرارداد جاری رکھی۔ "...اور جس کی گُپھے دار ریشمی مونچھیں اسے ایک سلجھے ہوئے، نتھرے دل ودماغ کا شخص ظاہر کرتی ہیں؛ یہ دو اشخاص جن میں سے ایک یوکنا پوٹاوابا کا معطل شدہ صدر ہے اور دوسرا یوکنا پوٹاوابا کا معطل شدہ ملٹری سیکریٹری؛ یہ دو اشخاص جو اس وقت بیکار ہیں..."

"ہیر ہیر! ہرّے ہرّے!" نوجوان ممبروں نے مسرت کا اظہار کیا۔ "یہ دو اشخاص،" ہوت نے کہا، "کھلی ہوا کے عاشقوں کی مجلسِ عاملہ کے ممبر بننا چاہتے ہیں۔ وہ خود ہی اپنی سفارش ہیں۔ ایسے منکسر، فی الواقع مرنجان مرنج لوگ اور جن کی اکیڈمک کوالی فکیشنز اتنی اونچی ہوں، روز روز

ہاتھ نہیں آسکتے۔ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ان کو مجلسِ عاملہ کا ممبر منتخب کرلیا جائے۔"

ہوت نوجوان پارٹی کا لیڈر تھا اور جب وہ چاہتا تھا کہ کوئی چیز ہو جائے تو وہ ہو جاتی تھی۔ ہوت کی تقریر نے اور اس کے واضح اشارے نے کہ وہ ہمیں مجلسِ عاملہ کے لیے منتخب کر لیے جانے کا متمنی ہے، ہمارے خلاف سب موثر مخالفت کو گویا ختم ہی کر دیا۔ بعض بوڑھے ممبروں نے ہمارے انتخاب کے خلاف تقریریں کیں اور اس قسم کے مضحکہ خیز اعتراضات کیے کہ یہ روحانی طور پر ابھی کابو ہیں اور ان کے کپڑے اتنے قیمتی کیوں ہیں اور کپڑے اوّل تو ہیں ہی کیوں، وغیرہ وغیرہ؛ مگر جب ووٹ لیے گئے تو سوائے چار پانچ کے سب ہمارے حق میں تھے۔ ہوت کی تقریر اور سگریٹوں کی مدد سے یہ ممکن ہو گیا تھا!

اب میں خیال کرتا ہوں تو مجھے اس کھلی ہوا کے عاشقوں کے ممبر چنے جانے پر اس وقت بے حد خوشی ہوئی اور ایسا فتح کا نشہ میں نے محسوس کیا جو میں نے یوکنا پوٹاوابا کے صدر چنے جانے پر بھی نہ محسوس کیا تھا۔ مگر ممبرشپ سے بڑھ کر ایک اور عزت بھی ہم پر نچھاور کی گئی۔ ہوت کے مشورے پر میں اور سارجنٹ بزفر ھینیٹو کو گدی سے اتارنے کی ڈیوٹی پر متعین کیے گئے۔ ہمیں یہ بھی یقین دلایا گیا کہ اگر ہم ھینیٹو کو "ڈی پوز" کرانے میں کامیاب ہو گئے تو ہم دونوں کو پہلے ایک سال کے لیے ٹرائل پر ایکٹنگ ھینیٹو بنایا جائے گا، اور بعد میں اگر ہم نے اپنے آپ کو ھینیٹو کی طرح پانی اور جھاگ قسم کا دیوتا نہ ظاہر کیا تو ہمیں غالباً مستقل کر دیا جائے گا۔

سارجنٹ بزفر نے میرے کان میں کہا، "میں یہ پسند نہیں کرتا۔ ھینیٹو کو یہ خود ڈی پوز کیوں نہیں کرتے؟ اس نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ ان کا معاملہ ہے۔ یہ ان کا گاڈ ہے اور اس کو ڈی پوز کرنا آسان نہیں ہو گا۔"

"بچے نہ بنو، سارجنٹ!" میں نے کہا۔ "وہ ہماری عزت افزائی کر رہے ہیں اور اس عزت کو مسترد کر دینا ہمارے لیے ایک کمینہ فعل ہو گا۔"

ان کی باقی کی قراردادیں ہماری دلچسپی کی نہیں تھیں۔ مثلاً ایک کا مقصد یہ تھا کہ مقامی ریستوران والوں میں سے ان کو جو روزانہ کھلی ہوا کے عاشقوں کو کھلاتے ہیں اس قسم کے خطاب دیے جائیں: "حاتم طائی"، "ہنری فورڈ" وغیرہ۔ مگر ہوت نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ

اگر ہم نے ان کو یہ القاب دیے تو ہمیں ان کو میڈل بھی بنوا کر دینے پڑیں گے اور اس کے لیے ابھی پارٹی فنڈ اجازت نہیں دیتے۔

آخر میں صدر نے چار دفعہ مکہ زمین پر مار کر کہا، "اب مجلسِ عاملہ کی یہ میٹنگ برخواست کی جاتی ہے۔ بقیہ قراردادوں کو کل چار بجے کے سیشن میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔"

یہ کہہ کر پریزیڈنٹ نے اپنی قمیص اتار دی جو سب ممبروں کے لیے اجلاس کے سرکاری طور پر ایڈجرن ہونے کا سگنل تھا۔

نواں باب

باؤلر ہیٹ کا ایک نیا استعمال

ہوت ہمیں اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ اس کا گھر وسطی جوہڑ کے پرے مقامی ریلوے اسٹیشن کے سامنے ایک پیومنٹ پر تھا۔ اس جگہ اور بھی بے شمار کھلی ہوا کے عاشق میلے اور غلیظ چیتھڑوں کے درمیان بیٹھے مکھیاں مار رہے تھے اور چند کمزور کتوں سے باتیں کر رہے تھے۔ ہوت کو ان میں سے سب نے (انھوں نے بھی جو اپنی سڑاند اور بیماری میں تقریباً تحلیل ہو چکے تھے) میٹھی مسکراہٹ دی۔ گو انھوں نے کسی پُرجوش عقیدت کا اظہار نہیں کیا۔

ہوت نے جب ایک بوڑھے آدمی کو بتایا کہ مجلسِ عاملہ نے آج بینیٹو کو دست بردار کر دینے کا فیصلہ کیا ہے تو بوڑھے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

مگر اس نے کہا، "بیٹا، یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ بینیٹو کے مزار پر اتنا کڑا پہرا ہے۔ دو درجن راہب ہمیشہ ننگی تلواریں لیے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔ اور پھر بینیٹو اگرچہ اب میری طرح بہت بوڑھا ہو چکا ہے، پھر بھی اس میں سکت ہے۔"

"تم فکر مت کرو چچا،" ہوت بولا۔ "یہاں یہ دو نائٹ ہیں، دونوں ہمت اور طاقت کے پُتلے ... " (تھوڑی دیر کے لیے اس پر یقین کر لینے میں کوئی ہرج نہ تھا۔) "...انھوں نے ہم سے یہ کام کرنے کا کنٹریکٹ کیا ہے، اس شرط پر کہ ان کو بینیٹو کا جانشین مقرر کیا جائے۔"

"نہیں ہوت!" میں نے عجلت سے کہا، "ہم بینیٹو کے وارث بننے کے مشتاق نہیں ہیں۔"

"خیر، تم کو بہر حال کچھ نہ کچھ صلہ تو ملنا چاہیے۔" وہ چیتھڑوں کو اٹھا اٹھا کر کوئی چیز تلاش کرنے لگا اور ایک بڑی کتاب نیچے گر گئی۔ اس نے کتاب کو اٹھا لیا اور اس سے غبار صاف کرنے لگا۔

"تم جانتے ہو،" اس نے کہا، "یہ کس کی کتاب ہے؟ ایک شخص کرشن چندر نامی کی جو طوفان سے پہلے کا ایک ایشیائی افسانہ نویس تھا۔ افسانے اس کی خاص لائن تھے مگر بعد میں اس نے کھلی ہوا کے عاشقوں میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد اس نے ایک افسانہ نہیں لکھا۔"

اس نے کتاب رکھ دی اور پھر چیتھڑوں میں تلاش شروع کر دی اور آخر وہ چیز جو وہ ڈھونڈھ رہا تھا اس کو مل گئی۔ یہ ایک ستار تھا مگر ایک ایسا ستار جس میں ذرّہ بھر بھی "شیبی نس" نہ تھی، جس کی خوبصورتی سے پالش کی ہوئی آبنوس پرانی امریکی ایمپائر کی میگزینوں میں وہسکی کے اشتہاروں کے پیلے سونے کی جھلک دیتی تھی اور جس کے تار چاندی کی طرح چمکتے تھے۔

"یہ ہے میرا دوست آرفیئس۔ دن بدن یہ حسین سے حسین تر ہوتا جارہا ہے۔ اب ہمارا بزنس کا وقت ہے اور دن کی تھکا دینے والی گھڑیوں کی کسل دور کرنے کا... کیا تم دونوں میرے ساتھ رنگین ہونٹوں والیوں کے کوچے کو چل رہے ہو؟"

سارجنٹ بزفر نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا مگر میں نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا، "میرے خیال میں ہمارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ بڑے کابو کے سپاہی وہاں ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہم پکڑے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اب جب ہم دیوتا بننے والے ہیں تو اس طرح بُری شہرت کی بستیوں میں رات کو آوارہ گردی کرنا ہمارے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"ہاں،" سارجنٹ نے کہا۔ "یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن میں پھر بھی جا رہا ہوں۔"

ہوت نے میری سرگوشی کو سن لیا تھا۔ وہ ستار کی چابی کو مروڑتے ہوئے ہنسا۔

"اسی لیے تو میں تم کو لے جا رہا ہوں۔ دیوتاؤں کو گھومنا پھرنا اور زندگی کو دیکھنا چاہیے۔ مینیٹو کو بھی اسی غلط وہم نے مارا ہے۔ اس نے مطلقاً زندگی نہیں دیکھی اور اپنے اسٹینڈ پر سے اتر کر کبھی لوگوں کے درمیان میں نہیں گیا۔ اس لیے جہاں تک میرا خیال ہے میں تم دونوں سے بہتر گاڈ بن سکتا ہوں۔"

میں نے کہا کہ ہمیں اس میں مطلقاً کوئی شک نہیں اور یہ کہ ہم اس کے حق میں اپنی امیدواری کے نام واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس پر کچھ اور سوچے گا۔ ہم پیومنٹ پر چلتے ہوئے اور روشن بازاروں میں سے ہوتے ہوئے ایک کوچے میں پہنچے جہاں جنسِ مخالف کے بہت سے افراد بن ٹھن کر اپنے گھروں کے دروازوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"تم لوگ ستار بجاؤ،" سارجنٹ نے کہا۔ "مجھے تھوڑا کام ہے اور میں ابھی آتا ہوں۔"

ہوت نے جاتے ہوئے بزفر کو قمیص سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اب ہم تینوں گلی کے نکڑ پر

دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہوت کا باؤلر پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس کے گھنگریالے بالوں کی ایک لٹ آگے لہرا رہی تھی۔ اس نے پاؤں کو پیچھے دیوار سے لگا کر ایک ٹانگ کو دوہرا کیا ہوا تھا اور ستار کو اپنے گھٹنے پر سہارا دے کر اسے سہلا رہا تھا۔

ہوت نے کہا، "تم لوگوں کو کوئی آرٹ آتا ہے؟"

میں نے جواب دیا، "آرٹ؟ میں جب اسکول میں تھا تو پنسل سے اپنی کتابوں اور کاپیوں پر کھجور کے درختوں اور مختلف قسم کے پرندوں کی ڈرائنگ کیا کرتا تھا۔ خاص طور سے میں مربعوں میں مونچھوں والا بلا اچھا بنا لیتا تھا۔ مگر مجھے شک ہے کہ اب میں اتنا ماہر نہیں۔"

"آرٹ کا مطلب ڈرائنگ کب سے ہوا ہے؟" ہوت نے مجھے کچھ کچھ جھڑکنے کے انداز میں کہا۔ "میرا مطلب ہے ہنر، مثلاً موسیقی، ناچ، شاعری۔"

"اوہ، ہنر!" میں نے کہا۔ "میں جوتے سی سکتا ہوں۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو، میرا باپ ایک موچی تھا اور اس نے مجھے یہ ہنر سکھایا تھا۔ میں نے ایک عرصے سے اس کام کو ہاتھ نہیں لگایا لیکن میرا خیال ہے کہ اگر میرے پاس اوزار ہوں..."

"اور سارجنٹ، تم کو کون سا آرٹ آتا ہے؟" ہوت نے پوچھا۔

"میں؟ میں ملٹری ایکسپرٹ ہوں۔ تم نے جدید ملٹری مینوئل نہیں پڑھی؟ وہ میری لکھی ہوئی ہے اگرچہ ٹائیٹل پر نام مسٹر پوپو..."

مجھے سارجنٹ کو چُپ کرانے کے لیے اس کے پیٹ میں چٹکی لینی پڑی۔

ہوت نے کہا، "تم دونوں نے مجھے اس وقت بارٓ آرٹس میں اپنی دسترس کے بارے میں بتایا ہے جو واقعی میرے جیسے آدمی کو اپنی نظر میں حقیر بنانے کے لیے کافی ہے۔ مگر میرا مطلب اس وقت دوسرے آرٹس سے تھا، مثلاً ادب تخلیق کرنے کا آرٹ یا کلاسیکل ناچ کا آرٹ جن کی پریکٹس اس وقت عام انسانی کو دیوانہ کیے ہوئے ہے۔ ہمیں اس وقت ان لوگوں کا دل بہلانے اور ان سے کچھ پیسے بٹورنے کے لیے اس آرٹ کی ضرورت ہے۔ میں ان کی دل جمعی کے لیے ستار پر کچھ پرانے اور کچھ میڈیول گیت گاؤں گا۔"

"ماڈرن گیت کیوں نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"۱۹۷۵ء کے بعد کوئی گیت نہیں لکھے گئے کیوں کہ گیت لکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ گیت جو وہ لکھنا چاہتے تھے پہلے ہی لکھے جا چکے تھے اور بالکل ان ہی الفاظ میں جن میں وہ ان کو لکھنا چاہتے تھے،" ہوت نے مجھ کو بتایا۔

وہ گانے لگ گیا۔ اس کا گلا واقعی سنہری تھا اور ستار کی مدھر ترنگ اس کے الفاظ اور جذبات کے اتار چڑھاؤ، وجد اور گھہرے درد کا مکمل ساتھ دیتی تھی۔ یہ آرٹ تھا اگر کوئی آرٹ ہو سکتا ہے۔ اس نے گئی گزری، بسری ہوئی پُردرد باتوں کے گیت گائے اور پچھلی جنگوں کے، اور ان میں سے دو گیت ایک پرانے ایشیائی شاعر غالب کے تھے اور دو ایک میڈیول ایشیائی شاعر اختر شیرانی کے، جس کا، پچھلے پچاس سال طاقِ نسیاں پر رکھے جانے کے بعد، ایشیا بھر میں پھر سے ووگ ہو گیا ہے۔

جب ہوت نے اپنے سننے والوں کو ایک لڑکی سلمیٰ کے بارے میں بتایا جو اس رات اس کو وادی میں ملنے کے لیے آ رہی تھی تو وہ فی الواقع متاثر اور پُراشتیاق معلوم ہوتے تھے اور ان میں سے کئی یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کے وادی میں آجانے کے بعد مزید ڈویلپ منٹس کیا ہوں گی۔ پیسے اس کے باؤلر ہیٹ میں، جو اس کے پاؤں پر الٹا پڑا تھا، چھن چھن گر رہے تھے اور دو تین رنگین ہونٹوں والی عورتیں دروازوں کے پاس سے اٹھ کر آئیں، ان میں سے ایک نے تین روبل کا نوٹ اس کے باؤلر میں پھینک دیا۔ اس نے دو تین اور میڈیول نظمیں گائیں۔ ایک کچھ اس طرح تھی:

انتقام

آج میں لے کر رہوں گا انتقام\
کیاسک میں رہنے والیوں کی نارسائی کا\
ان سب رنگین ہونٹوں والیوں سے\
لے کر رہوں گا انتقام

دوسری کا خطاب مینیٹو سے تھا اور وہ نظم ایک کھلی ہوا کے عاشق شاعر کی تھی:

مجھ سے پہلی سی عقیدت میرے مینیٹو نہ مانگ\
میں نے سمجھا تھا کہ تجھ میں ہمت ہو گی

مگر یہ میرا غلط خیال تھا

اس نظم میں ہوت نے اپنے سننے والوں کو جینیٹو کی ہونے والی ڈمی پوزیشن کا جو واضح اشارہ کیا تھا، اس کے سننے والوں میں سے بہت تھوڑے اس کو سمجھ سکے ہوں گے۔ اس کے بعد ہوت نے مجھے مجمعے کو کوئی پُرلطف کہانی سنانے کے لیے کہا اور میں نے ان کو جوک سنائے جو میں نے ایک حال کی جمہوریہ عربیہ کی میگزین میں پڑھے تھے۔

"جنٹلمین! میرا نام پیت ہے اور میں اسٹور میں کام کر رہا ہوں اور میرے پاس ایک سگریٹ لائٹر ہے اور میرے پاس ایک گھڑی ہے اور میری ایک بیوی بھی ہے، اور تینوں ٹھیک کام دے رہے ہیں۔" اور دوسرا:

"جنٹلمین! میں ایک دفعہ چڑیا گھر میں گیا اور بندروں کے پنجروں کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ وہ اپنے پنجروں میں نہیں بلکہ پیچھے کمروں میں ہیں۔ میں نے چڑیا گھر کے ایک ملازم سے پوچھا کہ بندر پنجروں میں کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کے میل کا موسم ہے۔ میں نے کہا اگر ان کو مونگ پھلی پھینکی جائے تو کیا یہ باہر پنجروں میں آ جائیں گے؟ اس نے کہا، میں نہیں جانتا، لیکن اگر میں ہوں تو نہ آؤں۔"

ان میں سے بعض واقعی ہنسے مگر زیادہ تر کے لیے یہ ٹپیکل عربو امریکن مزاح زیادہ فنی نہ تھا۔

"اب سارجنٹ،" ہوت نے کہا، "تمھاری باری ہے۔ ان کو ایک ناچ دکھاؤ۔"

سارجنٹ مطلقاً رضامند نہیں تھا اور اس نے ایک ہزار ایک بہانے کیے۔ اس نے اپنے آپ کو تھکا ہوا ظاہر کیا اور کہا کہ مجھ کو ناچنا نہیں آتا، مگر آخر کار وہ تیار ہو گیا۔ اس نے ہم کو بونگاوا وحشیوں کے بُلا بُلا ناچ کا نمونہ پیش کیا جس میں زیادہ ناچ کا کام اس کے کولھوں نے کیا۔ دیکھنے والے بے حد محفوظ ہوے اور جب سارجنٹ پندرہ منٹ تک ناچ چکا تو انھوں نے اس کو پھر دُہرانے کے لیے کہا۔ ان کی قدردانی ان کے گرتے ہوے سکوں سے ظاہر ہو رہی تھی اور میں نے، جو اپنا باؤلر ہیٹ ہاتھ میں لیے سارجنٹ کے لیے پیسے جمع کر رہا تھا، جلد ہی پچاس روبل جمع کر لیے۔

"الوداع، مالکو!" ہوت نے کہا۔

اب ہم بہت شدت سے بھوک محسوس کر رہے تھے اور ہوت کے ساتھ ایک قریبی ریستوران میں چلے گئے جس میں تمام دیواروں پر فریموں میں خوبصورت شاہزادیوں اور حسین بادشاہوں کی تصویریں آویزاں تھیں جو شاید پریوں کے کسی ملک سے متعلق تھے۔

ہم نے خوب کھانا کھایا اگرچہ ہوت نے بہت ہی کم کھایا۔ ہوت نے ہمیں بتایا کہ وہ دن میں صرف ایک بار کھاتا ہے۔ ہم نے پیسے نہیں دیے، کیوں کہ ہوٹل والا ہوت کا دوست تھا، اور باہر آگئے۔

"اب ہم واپس پہلے اپنے گھر چلتے ہیں،" ہوت نے کہا۔

اب ہم بازاروں میں سے گزرنے لگے اور ہوت نے اپنے پاؤلر ہیٹ میں سے سکّے ایک ایک کر کے راستے میں بیٹھے ہوئے کھلی ہوا کے عاشقوں میں بانٹنے شروع کیے۔ اور جب اس کا اپنا باؤلر ہیٹ خالی ہو گیا اس نے مجھ سے کہا، "وہ پیسے جو تم نے کمائے ہیں اس باؤلر میں ڈال دو۔"

میں نے وہ پیسے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال رکھے تھے اور سوچ رہا تھا کہ اب ہم تلواروں کا پیکٹ خریدیں گے اور دو دن تک فاقے سے بچ سکیں گے، مگر ہوت نے مجھے وہ سب اپنے باؤلر میں ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے زبردستی نہیں کی لیکن کسی طرح تم کو اس کی مرضی پر چلنا ہی پڑتا تھا۔

ہوت نے گھر پہنچ کر جو کچھ پیسے رہ گئے تھے وہ پاس بیٹھے ہوئے بوڑھے کھلی ہوا کے عاشق کو دے دیے۔

"اب ہم سچ مچ امیر ہیں! ہیں نا مسٹر پوپو؟" ہوت مسکرایا — مسکراہٹ جو ایک کرن تھی۔

دسواں باب

جس میں زیادہ تر زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ
آیا جوتے فی الوَاقع ضروری ہیں

آسمان پر چاند نہیں تھا اور رات تاریک ترین تھی۔ ہم تینوں پہلے وسطی جوہڑ پر بڑ کے درخت یعنی پارلیمنٹ ہاؤس میں پہنچے جہاں چند دوسرے کھلی ہوا کے عاشق ہمارے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر تو درخت کی ٹہنیوں کی چھڑیوں سے مسلح تھے (مع پتوں اور ہر چیز کے) اور ان میں سے چار پانچ کے پاس زنگ آلود چاقو تھے۔ ہوت کے آدمی پتھر اور دھات کے زمانے کے آدمیوں کی طرح لگ رہے تھے جن کے متعلق مورخ لکھتے ہیں کہ وہ تاریخ سے پہلے کے زمانے میں اس کرے پر رہتے تھے (اس کے باوجود تاریخ لکھنے والے ان کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں۔ انھیں یہ تک بھی معلوم ہے کہ پتھر کا زمانہ کب ختم ہوا اور دھات کا زمانہ کب شروع ہوا، جیسے وہ خود اس وقت وہاں رہتے رہے ہوں)۔

"امیدوار دیوتاؤ! تم تیار ہو نا؟" ہوت نے کہا۔ "تمھارے پاس کوئی چاقو واقو ہیں؟"

میں نے کہا، "چاقو تو میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں یہ دو ہاتھی دانت کے قلم ہیں جنھیں میں گورنمنٹ ہاؤس میں بطور چاپ اسٹکس کے استعمال کیا کرتا تھا۔"

"یہ مجھے دو،" ہوت نے کہا۔ "ان کو گروی رکھیں گے۔ پارٹی کو اس وقت فنڈ کی ضرورت ہے۔ جب ہماری حکومت ہو جائے گی میں سینیٹ کو سفارش کر کے تمھیں حاتم طائی (تھرڈ کلاس) کا خطاب اور تمغہ دلوانے کا انتظام کر دوں گا۔"

میں نے کہا، "مجھے افسوس ہے ہوت، یہ میرے نہیں۔ یہ بڑے کابو کی ملکیت ہیں۔"

"ادھر لاؤ بھی۔ وہ مر نہیں جائے گا۔ مگر ٹھہرو! ہم آج رات ان کو استعمال کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان کی نوکیں اچھی تیز ہیں۔ یہ ہینیٹو کے مخالفوں کی آنکھیں پھوڑنے کے کام آسکتے ہیں۔"

ہوت کے پاس ایک چھوٹا پستول تھا جو اس کو "کسی کا ملک نہیں" نامی ملک کے دوستوں نے دیا تھا اور جس کو وہ اپنی پتلون کی جیب میں ڈالے ہوئے تھا۔

ہم چپکے سے ہینیٹو کے معبد کی طرف بڑھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں یوکنا پوٹاوابا کا صدر اور میرا ملٹری سیکریٹری یک لخت آج کتنے عجیب واقعات میں پھنس گئے تھے اور اب ایک اسٹیٹ کے خلاف سخت ترین غداری کے کام میں حصہ لے رہے تھے۔ اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو کل بڑا کابو، چھوٹا کابو اور وہ سب آسمان سے باتیں کرنے والے مکانوں میں رہنے والے جن کے لیے یہ گاڈ اتنا مفید تھا اور جن کی روٹی کو وہ خود مکھن لگاتا تھا، کہاں ہوں گے۔

معبد کی سیڑھیوں پر پہنچ کر ہم نے اندر کھلے دروازے میں سے ہینیٹو کی مورتی کو اس کے مختلف چہروں کے ساتھ، جو وہیں نیچے غالباً ایک بجلی کی موٹر کے ذریعے سے گھوم رہے تھے، دیکھا۔ اب ہینیٹو ایک غضب ناک شیر تھا اور اب چالاک لومڑ؛ اب سخت متعصب بوڑھا آدمی اور اب ایک مسکراتا ہوا بچہ۔ اس کے بت کے گرد سیاہ لبادوں میں تالیاں بجاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے اس کے پجاری تھے اور ان کے بھجنوں کی آواز باہر آرہی تھی۔

"ہینیٹو تو اتنا اچھا ہے، ہینیٹو تو اتنا نیک ہے، ہینیٹو ہمیں اپنے قہر و غضب سے بچا، تو ماضنین کا مالک ہے۔ تو نے ہم کو ہاتھ دیے ہیں تاکہ ہم اپنے ہمسائے سے وہ چیزیں چھین سکیں جن کی ہمیں ضرورت ہے، تو نے ہمیں منہ دیے ہیں تاکہ ہم باتوں باتوں میں دوسروں کو چکمہ دے سکیں اور الو بنا سکیں۔ ہینیٹو ہم کو غضب سے بچا جو تو نے کھلی ہوا کے عاشقوں پر نازل کیا ہے۔ ہینیٹو ہماری جنسی قوت کو بڑھا، تاکہ ہم اپنی بیویوں کو بے تحاشا استعمال کر سکیں، وغیرہ وغیرہ۔

"اب،" ہوت نے کہا، "آگے تمہارا کام ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ باقی سب باہر ٹھہریں گے۔"

ہم تینوں معبد کے اندر داخل ہوئے۔ معبد کی دیواروں پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور چھت میں جھاڑ فانوس لٹک رہے تھے۔ ہم تینوں ایک دیوار کے ساتھ خاموش پجاریوں میں بیٹھ گئے۔ آخر ایک راہب ہمارے پاس آیا۔

"تم لوگ پوجا کرنے والے ہو یا رات کو سونے کے لیے جگہ تلاش کرنے والے ہو؟" اس نے پوچھا۔

ہوت غرّایا، "کیا ہم کھلی ہوا کے عاشق نظر آتے ہیں؟ ہم آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں میں سے ہیں اور یہ دو آدمی جن میں سے ایک صبح کے سوٹ میں ہے اور دوسرا شب خوابی کے لباس میں، اپنے ملک کے کابو ہیں۔"

"اچھا بھئی، غلطی ہوئی!" راہب نے کہا۔ "کیا تم پوجا میں شامل ہونا پسند نہ کرو گے؟ یا تھالیوں کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے ہو؟ تم چاہو تو میری تھالیاں لے سکتے ہو۔"

"ہم،" ہوت نے کہا، "ساری رات بینیٹو کی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ تم لوگ فارغ ہو جاؤ اور پھر ہم اسے دکھائیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

اس راہب نے ہوت کے الفاظ میں چھپی ہوئی دھمکی کے معنوں کو نہ پایا۔ وہ مڑ ہی رہا تھا کہ ایک دوسرا راہب ــــ ایک لمبا آدمی جس کی بھنویں سیاہ تھیں ــــ ہماری طرف للکارتا ہوا آیا۔ وہ پھنکارا:

"یہ سب رات کو سونے والے ہیں۔" (ہوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) "میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ یہ یقیناً کھلی ہوا کے عاشقوں میں سے ہے اور میرے خیال میں ان کے سرغنوں میں سے ایک۔ اور یہ دوسرا..." (سارجنٹ بزفر کی طرف دیکھتے ہوئے) "یہ مونچھوں والا آدمی تو پہن کر بھی شب خوابی کا لباس آیا ہے جیسے..."

"نہیں، میں اس کو اس لیے پہن کر نہیں آیا!" سارجنٹ بزفر نے بے ساختہ کہا۔ "یہ الزام ہے۔ میرے پاس ہے ہی یہ لباس۔"

اس راہب کا انداز بے حد بد اندیشانہ تھا، اس لیے نہیں کہ اسے شک گزرا تھا کہ ہم دیوتا کو ڈی پوز کرنے کے لیے آئے ہیں۔ مجھے ہوت نے بتایا کہ کھلی ہوا کے عاشق کبھی کبھی تبدیلی اور تنوع کی خاطر یہاں ظاہراً پوجا کرنے کے لیے مگر دراصل سونے کے لیے آ جاتے ہیں اور کالی بھنووں والا راہب اس وقت قدرتاً ہمیں ان سونے والے دلیروں میں سے سمجھ رہا تھا۔

ہوت نے راہب سے کہا، "یہ جگہ تمھاری ملکیت نہیں ہے۔ یہ بینیٹو کی ملکیت ہے۔"

بے شک یہ بینیٹو کا گھر تھا اور وہ راہب ہمیں باہر جانے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا- وہ کچھ غصّے سے غرّاتا اور کڑھتا پھر اپنی پوجا میں مشغول ہو گیا مگر اس سارے عرصے میں اس کی ایک آنکھ ہم پر تھی، ایک کینہ ور آنکھ- آخر ایک ایک کر کے پجاری جانے لگے مگر ان میں سے پہلے جو سیڑھیوں سے نیچے گئے وہ جلد ہی پھر واپس آ گئے- فوراً ہی ہم کو ان کے واپس آ جانے کی وجہ معلوم ہو گئی- ان کے جوتے غائب تھے-

اب مجھے اس کا علم نہیں کہ آیا ہوت کا اس میں ہاتھ تھا اور آیا اس کے اور اس کے ساتھیوں اور لفٹینوں کے درمیان اس قسم کی کوئی ان کہی انڈراسٹینڈنگ تھی- بہر حال میں نے باہر جھانکا تو وہ سب کھلی ہوا کے عاشق جو ہمارے ساتھ آئے تھے، کہیں نظر نہ آ رہے تھے- پوجا کرنے والے ایک ناقابلِ رشک حالت میں تھے انھیں گھر جانے کی جلدی تھی- ان کی بیویاں استعمال کیے جانے کے انتظار میں تھیں- بینیٹو کی طرح ان کے بھی حقوق تھے- اُدھر ان کے جوتے غائب تھے- جوتے ماضنین میں اچھے موچیوں کی قلت کی وجہ سے مہنگے ملتے ہیں؛ میرا مطلب پہننے والے جوتوں سے ہے، مگر ہوت نے مجھے بتایا کہ جوتے کھانے کے بھی ہوتے ہیں جو سستے اور بالکل مفت پڑتے ہیں اور جن کے پانے والے زیادہ تر کھلی ہوا کے عاشق ہوتے ہیں-

ایک ڈاڑھی والا معزز شہری تاریک بھنوؤں والے راہب کے پاس گیا- "میرے جوتے کہاں ہیں؟ میں گھر کیسے جاؤں گا- محلّے میں بہت سے آدمی مجھے جانتے ہیں- وہ کیا کہیں گے؟"

ایک اور عینک والا کلرک جو زردرُو تھا اور شاید کسی ڈپارٹمینٹل امتحان کی تیاری کر رہا تھا (مجھے بتایا گیا ہے کہ ایسے موقعوں کے لیے بینیٹو بعض وقت مفید ہے) تقریباً رو رہا تھا- "پچاس روبل کے میرے جوتے تھے اور کل ہی میں نے چیف جوتا گھر سے خریدے تھے، پورے مہینے کی تنخواہ کے عوض-"

ایک اور چھوٹا سا منحنی آدمی سب دوسرے بغیر جوتے والوں سے شکایت کر رہا تھا- "میرا اس معبد میں جوتے کھونے کا یہ چھٹا موقع ہے- جہاں تک میری حقیر رائے ہے اس میں یہاں کے بڑے راہب کا ضرور ہاتھ ہے-"

"میرا خود یہی خیال ہے،" ہوت نے اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے تائید کی-

ان سب نے تاریک بھنوؤں والے راہب کو گھیر لیا اور اس کو بعض ایسی باتیں کہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

ہوت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ہر ایک سے کہہ رہا تھا، "میری رائے میں جوتے اسی نے چرائے ہیں۔" آدھ گھنٹے تک معبد میں خوب شوروغل رہا۔ بڑا راہب کہہ رہا تھا، "میں نے معبد کے باہر سائن بورڈ لگا رکھا ہے کہ جوتے کھو جانے کا معبد ذمے دار نہیں ہوگا۔"

"ہاں!" ہوت نے دوسرے لوگوں سے کہا جن کے جوتے غائب ہو گئے تھے۔ "یہ بورڈ اس لیے لگایا گیا ہے تاکہ وہ قانونی زد سے محفوظ رہے۔"

"تم چپ رہو!" راہب نے غصّے سے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم لوگوں کی کارستانی ہے۔ تم کھلی ہوا کے عاشقوں کی۔"

ہوت ہنسا، جیسے ایک اچھے مذاق پر۔

"لو، اَور سنو! کھلی ہوا کے عاشق۔ وہ جوتے کیوں چرانے لگے؟ ان کے کس کام کے؟ وہ ان کو کبھی نہیں پہنتے۔"

وہ سب ایک ایک کر کے ننگے پاؤں ہی جانے کو تیار ہو گئے اور ہوت نے ان کو تسلّی دی کہ یہ اتنا غیر آرام دہ نہیں جتنا تصور کیا جاتا ہے۔ "جوتے دراصل ضروری نہیں۔ میں نے ان کو گزشتہ چار سال سے استعمال نہیں کیا اور میں اب کانٹوں پر چل سکتا ہوں۔ اگرچہ..." اس نے استیزاد کیا، "میں تم کو پہلے پہل یہ تجربہ کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ چہرہ بگاڑنے اور افسوس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ تمھارے لیے اب بغیر جوتے کی زندگی کا آغاز کرنے کا نادر موقع ہے اور اگر اب تم چاہو تو ایک بےفائدہ اور پُرتکلف رواج سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ کوئی دوسرے حیوان جوتوں کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی بہت سی دوسری فروعات کی، اور میں نہیں سمجھتا کہ انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے (اگرچہ دوسرے حیوانات کو یہ معلوم ہو جائے تو وہ اس سے سخت اختلاف کریں) اور یقیناً (میں اقرار کرتا ہوں) سب حیوانوں سے بڑھ کر حیوان ہے، اپنی زندگی کو خوشگوار گزارنے کے لیے اتنی لاتعداد ڈینٹیز کا محتاج ہو۔ ہماری نسل کے نوجوانوں نے کم از کم ایک بغاوت کی ہے، انھوں نے

ٹوپیاں پہننی چھوڑ دی ہیں ___ ایک حد درجہ غیر ضروری چیز۔ یہ باؤلر ہیٹ جو تم میرے ہاتھ میں دیکھتے ہو صرف پیسے مانگنے کے لیے ہے۔ ہم انسانوں کو دراصل دفتر جانے، انشورنس ایجنٹ بننے اور ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم درختوں میں بندروں کی طرح خوش اور مطمئن رہ سکتے ہیں۔"

ہوت اب ایک بڑی فلسفیانہ کتھا پر چل نکلا تھا اور ان سب پجاریوں کے چلے جانے کے بعد وہ اپنا زندگی کا فلسفہ ہینیٹو اور سیاہ بھنووں والے بڑے راہب پر واضح کر رہا تھا جو غصے کے مارے پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

"اب جاؤ!" بڑے راہب نے کہا۔ "ہم معبد کے دروازے بند کرنے لگے ہیں۔"

"ہم ہینیٹو کے ساتھ چند منٹ تخلیہ چاہتے ہیں،" ہوت نے بالکل سکون سے کہا۔ "اور دوسرے یہ دونوں (اپنے ملک کے کابو اور بہتر درجے کے آرٹسٹ) بھی اپنے جوتوں سے محروم کیے جا چکے ہیں اور وہ جوتوں کے بغیر چلنے کے..."

میں ہراساں ہو کر چلایا، "ہمارے جوتے بھی؟"

سارجنٹ بزفر چلایا، "میرا زرم چپل تو نہیں؟"

ہوت نے کہا، "ہم کھلی ہوا کے عاشق کسی سے رعایت کا سلوک نہیں کرتے۔ سب ہمارے لیے برابر ہیں..."

"اچھا، یہ تمھاری ہی کارستانی تھی!" راہب چلایا۔ "میں جانتا تھا تم... چور... چور..."

ہوت پارے کی طرح بے قرار ہو کر تلملایا۔ بڑے راہب کی آواز اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں گھٹ گئی اور ہوت نے پاس رکھی ہوئی ایک رسی سے اس کی مشکیں کس دیں۔ (ہم نے بھی اس کام میں اس کا ہاتھ بٹایا۔) اس وقت معبد کے اندرونی کمرے میں اور کوئی نہ تھا۔ دوسرا راہب پہلے ہی جا چکا تھا۔

"اب،" ہوت نے کہا، "ہم ہینیٹو کو گدی سے اتار سکتے ہیں اور اسے وسطی جوہڑ میں گرا سکتے ہیں۔"

جس وقت ہم ہینیٹو کے بت کی طرف بڑھے تو ہمارے سامنے ہینیٹو کا وہ چہرہ تھا جو میں

نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا ___ ایک بے بس آدمی کا چہرہ، جو درد اور یاس اور غم سے گھلا ہوا ہو۔ بجلی کی موٹر فیل ہو گئی تھی یا غالباً کسی نے سوئچ آف کر دیا تھا، اور یہی چہرہ تھا جو ہمارے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ باقی سب چہرے تاریکی میں تھے۔ ہم تیورا گئے۔ ظالم سے ظالم آدمی بھی اس چہرے کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ اس وقت رحم اور محبت کے جذبات ابھارتا تھا، اس آدمی کی طرح جو اکیلا ہو، ایذا دیا گیا ہو، جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

ہوت نے کہا، "میں سوچ رہا ہوں کہ بوڑھا آدمی بینیٹو آخر اتنا بُرا نہیں۔ دراصل یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا قصور نہیں۔ یہ ذرا غیر موثر ہے اور بے بس۔ تم جانتے ہو کہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں، تھر تھراتے ہیں، اس کی خوشامد کرتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اپنے امتحان پاس کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنی چاندی کی ڈھیری اونچی کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ اپنے ہمسایہ کی بیوی کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس سے خوف زدہ ہیں اور اس کو ایک قسم کا سُپر جادو گر سمجھتے ہیں۔ وہ اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی خوشامد کرتے ہیں، مگر حقیقتاً بوڑھے آدمی بینیٹو سے خود بوڑھے آدمی بینیٹو کی خاطر کوئی محبت نہیں کرتا۔ اگر ہم اس کو گدی سے بھی دست بردار کر دیں تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اس کے پاس صدیوں سے اشک شوئی کے لیے یہی ایک ڈھارس ہے کہ وہ گدی پر بیٹھا ہے۔"

"ہمارے یو کنا پوٹاوابا میں کوئی بینیٹو نہیں ہے،" میں نے کہا۔ "اور ہم بالکل مزے میں ہیں۔"

"بالکل مزے میں!" سارجنٹ بزفر نے کہا۔ "صرف کبھی کبھی ایک ریوولیوشن ہو جاتی ہے اور پہلے صدر اور ان کے ملٹری سیکریٹری اچانک اپنے آپ کو آوٹ آف جاب پاتے ہیں۔"

"میں تعجب کیا کرتا تھا،" ہوت نے کہا، "کہ بینیٹو اپنے آپ کو جتلاتا کیوں نہیں اور محسوس کیوں نہیں کراتا۔ یہ اس دنیا میں خود اپنی حکومت کیوں نہیں قائم کرتا جیسا کہ اس نے ہزاروں سال پہلے وعدہ کیا تھا، جب یہ گدی پہ بیٹھنے والا تھا، کہ میں اس دنیا پر اپنی سلطنت قائم کروں گا اور چار ایال دار شیر ببر میرے دائیں، بائیں، میرے آگے اور میرے پیچھے اگلے دائیں پنجوں میں شمشیریں اٹھائے میری حفاظت کریں گے اور بغیر رُکے میری تعریفیں گائیں گے۔

"اب اس نے خود اپنے آپ کو کابوؤں کے ہاتھ میں ایک ڈیوپ بنا لیا ہے۔ تم اس سے کچھ توقع نہیں کر سکتے۔ اور اس کو گدی سے اتارنے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو گا۔ اس معبد کے راہب اپنا ایک نیا دیوتا اس سنگھاسن پر نصب کر دیں گے اور اس کو بینیٹو کہیں گے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلا بینیٹو موسم گرما کی چھٹیوں پر گیا ہے یا یہ کہ اس نے یہ نیا روپ بدلا ہے کیوں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے، ہر چیز... اور لوگ اس جھوٹ پر یقین کر لیں گے۔ اس ملک میں وہ ہر اس چیز پر یقین کرتے ہیں جو وزارتِ جھوٹ ریڈیو پر نشر کرتی ہے اور جو ایف ایل پٹاخا شترا باٹائمز میں چھاپتا ہے۔ ایف ایل پٹاخا اس ملک کے کروڑوں لوگوں کے لیے سوچتا ہے اور نئے جھوٹ ایجاد کرتا ہے۔ ذاتی طور پر میں بینیٹو کو ڈی پوز کرنا عام انسانی شرافت سے بعید سمجھتا ہوں۔ عبادت اور پوجا سے زیادہ بوڑھے آدمی کو محبت اور معصومیت اور نیکی کی ضرورت ہے جو صرف بچے دے سکتے ہیں، مگر ٹریجیڈی یہ ہے کہ ہم بڑے ہو جاتے ہیں۔"

"سو ہم اس کو بیٹھنے دیں؟" میں نے کہا۔ "یہی تمھارا مطلب ہے نا؟"

"بیٹھنے دو!" بھوت نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال نہیں وہ زیادہ دیر بیٹھے گا۔ وہ خود ہی دست بردار ہو جائے گا۔ اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا جب تک ایف ایل پٹاخا موجود ہے۔"

تمھارا مطلب یہ تو نہیں..." بزفر بولا، "کہ بینیٹو کی بجائے اب ایف ایل پٹاخا کا خاتمہ کیا جائے؟"

"ایف ایل پٹاخا وزارتِ جھوٹ کا بچہ ہے۔ وزارتِ جھوٹ وزارتِ جہالت کی جڑواں بہن ہے... نہیں، یہ ممکن نہیں! یہ سارا سلسلہ ان پریوں کی کہانیوں کی طرح ہے جہاں ظالم جن کی جان سات سمندر پار فلاں طوطے میں ہوئی تھی اور اس طوطے کی سات سمندر پار فلاں مینا میں۔ مسٹر پوپو! بات یہ ہے کہ میں اس انسانی جانور سے کوئی زیادہ امید نہیں رکھتا۔ ہمارا سب سے طاقتور جذبہ ـــــ جنسی خواہش سے بھی زیادہ طاقتور ـــــ طاقت اور شہرت کی خواہش ہے، دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے اور ان کو ادھر اُدھر آرڈر اباؤٹ کرنے کی خواہش۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہم ان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کو ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم

جانتے ہیں کہ وہ جاہل ہیں مگر ہم ان کی جہالت کو اور زیادہ گہرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، صرف اس لیے کہ یہ ہمارے حق میں مفید ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں ہمیشہ مذہب کو لوگوں کے لیے افیم بنایا ہے۔ تم سمجھتے ہو اب یہ بڑا کابو، چھوٹا کابو اور یہ سارے فائن جنٹلمین مذہب کی دو کوڑی کی بھی پروا کرتے ہیں؟ مگر وہ جانتے ہیں کہ عام سادہ لوگ اس تال پر زیادہ آسانی سے ناچیں گے بہ نسبت کسی اور تال کے۔ ہمارے لیڈر ہو سکتا ہے بڑے اچھے آدمی ہوں، لیکن وہ بوڑھے ہیں اور احمق اور ان کی تربیت صحیح نہیں ہوئی۔ بڑا کابو ایک وفادار خاوند ہے اور جہاں تک میں نے سنا ہے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے ایک اچھا محبت کرنے والا باپ ہے مگر اس نے زندگی کی اصلی خوبصورتی اور حزن کو کبھی نہیں محسوس کیا۔ طاقت! طاقت! یہ خوفناک نشہ ہے اور طاقت کی خاطر طاقت ایک نہایت ارذل اور کمینہ انسانی انسٹنکٹ ہے۔ یہی جذبہ تھا جو معاشی آزادی کے باوجود روس میں نہ کچلا جا سکا اور جب مطلق طاقت، کروڑوں کی زندگی اور موت پر طاقت، ایک محروم خواہشات کے نیور ستھانک کے ہاتھ میں آئی، اس نے اس کو تباہی کے لیے استعمال کیا... معاف کرو، ہمیں اب چلنا چاہیے۔"

ہم مینیٹو کے بڑے راہب کو وہیں بندھا ہوا چھوڑ کر باہر کالی رات میں آ گئے اور ننگے پاؤں اس بڑ کے درخت کی طرف چلے جہاں ہوت کے ساتھی مینیٹو کے ڈی پوز ہو چکنے کی خبر کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ اس امید میں تھے کہ یہ خبر ملتے ہی وہ بڑے کابو کے محل پر دھاوا بول دیں گے۔ اور جب وہ ان کو مینیٹو کو خطرے کے فارمولے سے ٹالنا چاہے گا وہ اس کے منہ پر ہنسیں گے اور اس سے کہیں گے کہ مینیٹو کو خطرہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ اب وسطی جوہڑ کے بیچ میں پڑا ہوا ہے۔

ہماری خبر نوجوان کھلی ہوا کے عاشقوں کے لیے سخت مایوس کن تھی اور ان میں سے بعض نے جو ذرا گرم خون تھے ہوت کو بزدل اور غدّار کہا۔ ہوت مسکراتا ہوا ان کو سنتا رہا اور پھر اس نے ان کو اپنی وجوہات بتائیں اور انھوں نے دیکھا کہ ہوت یک بات ٹھیک تھی۔ مگر جو ذرا بڑے ممبر تھے وہ اس خبر سے آرام کا سانس لینے لگے کیوں کہ ان کا شروع سے ہی خیال تھا کہ مینیٹو کو ڈی پوز کرنا درست نہیں؛ کہ مینیٹو ایک بے ضرر، نیک ارادے والا گاڈ ہے۔ وہ کچھ غیر موثر ضرور تھا

مگر یہ اس کے بڑھاپے کا قصور تھا۔

جوتے ان کے پاس ہی تھے جو ہوت کے دو تین ساتھیوں نے تھیلوں میں ڈال رکھے تھے۔ ان میں میرے لیڈر کے سیاہ بوٹ بھی تھے اور سارجنٹ کے پھول دار سینڈل بھی۔ ہماری ان سے اپنے بوٹ مانگنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ہوت نے کہا، "سب جوتے کل جیب کترنے والے جنٹلمین کے بازار میں بیچے جائیں گے۔ ہم ایک دو اچھے معزز آدمیوں کو جانتے ہیں (ان میں سے ایک عطر بازار میں شو مرچنٹ ہے) جو ہم کو ان کے اچھے دام دیں گے، اور وہ ان کی مرمت وغیرہ کر کے ان کو بالکل نیا کر کے بیچ سکتے ہیں۔ اور اب جب ہم اس موضوع پر ہیں مسٹر پوپو! میرے خیال میں پارٹی تمہارے ان دو ہاتھی دانت کے قلموں کی پارٹی فنڈ میں گفٹ کی بے حد ممنون ہو گی اور تمہارا نام اس بڑے تنے پر کھود کر صدیوں تک کے لیے زندۂ جاوید کر دیا جائے گا۔"

مجھے وہ قلم دینے ہی پڑے... اور آخر تھے بھی تو وہ بڑے کا بو کے۔

"اور اب تم سونا چاہو گے؟" ہوت نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ ہمیں اپنے گھر کے سامنے ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں لے گیا جہاں دو بنچ خالی پڑے ہوئے تھے۔ پولیس مین جو وہاں ڈیوٹی پر تھا ہوت کو جانتا تھا اور اس کا انداز ہوت کی طرف مودبانہ تھا، ہوت اس کو چچا کہتا تھا جس طرح ہزاروں دوسرے لوگوں کو۔

"تم یہاں سو سکتے ہو،" ہوت نے کہا۔ "میں اس جگہ کو مہمانوں کو ٹھہرانے کے لیے استعمال کرتا ہوں۔ میں ہمیشہ اپنے گھر میں اپنے ستار آرفیئس کے ساتھ سوتا ہوں۔ صبح وہاں آؤ اور ہم سوچیں گے کہ تم یو کنا پوٹاوابا کس طرح پہنچ سکتے ہو، کیوں کہ تم کو واپس ضرور جانا چاہیے۔ آدمی اپنے ملک سے باہر ٹھیک اور ایٹ ایز نہیں محسوس کرتا۔"

ہم نے اسے جاتے ہوئے دیکھا ـــــ ایک اداس اور تنہا شکل ـــــ اور سارجنٹ بزفر نے مجھ سے کہا، "میں تمہیں بتاؤں، یور آنر! اس ملک میں دو ہی پارٹیاں نہیں ہیں، سفید پارٹی اور سرخ پارٹی۔ ایک تیسری پارٹی بھی ہے اور وہ ہے کھلی ہوا کے عاشق۔ اور میرا خیال ہے کہ ان کا لیڈر ہوت ابھی سے شہر میں اتنا با اثر اور ہر دلعزیز ہے جتنے یہ سب کا بو بھی نہیں۔ افضل تر سے لے کر

نیچے تک۔"

اور پھر دن بھر کے تھکے بارے، یوکناپوٹاوابا ریوولیوشن سے بے پروا، ہم لٹھوں کی طرح بے ہوش سو گئے۔

گیارھواں باب

جس میں مسٹر پوپو باؤلر ہیٹ کا ایک اور نیا استعمال دریافت کرتا ہے

دوسری صبح ہوت کے گھر جانے پر ہمیں پتا چلا کہ آدھی رات کو پلجکچ ("پکڑلو جس کو مرضی چاہے" ــــ باضنین کی اسپیشل پولیس) کے آدمی اسے گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ انھوں نے اس پر بینیٹو پر حملہ کرنے کی نیت اور بڑے راہب کو قتل کرنے کی کوشش کا الزام عائد کیا تھا۔ (دونوں ماضنینی قانون میں بےحد سنگین جرم ہیں۔) اس کی گدڑیوں پر چار غلیظ میلے کچیلے بچے بیٹھے ہوئے تھے، کالک اور میل میں لتھڑے ہوئے بچے جن کے گھنیرے بال گھنگریالے تھے اور جن کی آنکھیں بڑی اور ذہین تھیں۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ وہ ہوت کے پرسنل باڈی گارڈ ہیں اور یہ کہ ہوت ہمارے لیے ایک پیغام چھوڑ گیا ہے۔ یہ پیغام میڈیول شاعری کی ایک پتلی کتاب کے (جو طوفان سے پہلے کے ایک انگریزی شاعر رابرٹ گریوز کی نظموں کا مجموعہ تھا) فلائی لیف پر پنسل سے گھسیٹا ہوا تھا، اور بڑی جلدی میں۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

"میرے پیارے پوپو اور بزفر!

"وہ راہب جس کی ہم نے مشکیں کسی تھیں، میرے نام سے واقف ہے اور ہمارے جانے کے فوراً بعد ہی وہ غالباً کسی طرح کسی کی مدد سے اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے پل جک مچ ہیڈکوارٹرز میں میری رپورٹ کر دی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، اس نے تمھارا ذکر نہیں کیا اور صرف اتنا کہا کہ مجرم ہوت کے ساتھ دو اَور کھلی ہوا کے عاشق تھے، اس لیے تمھیں زیادہ خطرہ نہیں۔ میرا نام، جیسا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے، پل جک مچ کی کالی کتاب میں عرصے سے درج ہے۔ وزیر جھوٹ عرصے سے میرا سخت ترین مخالف ہے۔ اس نے مجھے رشوت دینے کے مختلف طریقے استعمال کیے اور چند ہفتے پہلے مجھے ماضنین کا آوارہ گرد سفیر بنانے کی پیش کش بھی کی گئی تھی۔

"میں غالباً کافی عرصے تک کے لیے ناپید ہو جاؤں گا۔ (یہ ان سب کا حشر ہوتا ہے جو پل جک مچ کے منجے کے نیچے آتے ہیں۔) مگر میں پارٹی کے متعلق فکرمند ہوں۔ پارٹی کا کام جاری رہنا چاہیے۔ مسٹر پو پو پالنہار چو کا مانیفو، کیا تم مجھ پر ایک عنایت کرو گے؟ میں چاہتا ہوں کہ تم پارٹی کے سیکریٹری کے فرائض انجام دو۔ فرائض آسان نہیں ہیں، جیسا کہ تم نے دریافت کیا ہو گا، مگر تم کو اس کام میں مجلسِ عاملہ کے سب ممبروں کا تعاون حاصل ہو گا۔ نوجوان قنوط تمھیں سارے آداب اور کانسٹی ٹیوشن سے واقف کر دے گا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہاں میرے گھر پر نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ بہت زیادہ پبلک جگہ ہے اور اس لیے میں تمھیں شہر میں اپنے ایک دوست کا پتا دوں گا جس کی ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ وہ میرا دوست چند ہفتے سے اس دکان کو باؤلر ہیٹ پر دینے کو سوچ رہا ہے۔ یہ یہاں کی ایک رسم ہے۔ تم چار سو روبل اس کے پاس میرے باؤلر ہیٹ میں ڈال کر لے جاؤ گے، وہ خود ہی سمجھ جائے گا۔ یہ چار سو روبل وہ اپنی جیب میں ڈال لے گا اور باؤلر ہیٹ تم کو واپس دے دے گا۔ اس رسم کے بعد وہ تم کو دکان کا قبضہ دے گا۔ اس مکان کا کرایہ غالباً بیس روبل ماہوار ہے۔ اگر تم اپنے بار آرٹس کے ذریعے اپنی گزران پیدا کر سکو اور مکان کا کرایہ ادا کر سکو تو ٹھیک، ورنہ تم ماہانہ سو روبل تک پارٹی فنڈز سے لے سکتے ہو جو خزانچی ڈرٹی کے چارج میں ہیں۔ بیشک باؤلر ہیٹ کا روپیہ چار سو روبل تمھیں پارٹی فنڈ سے ملے گا جو تمھیں ایک قرضے کے طور پر پیشگی دیا جائے گا اور جو تم اپنا وقت لے کر واپس کر سکتے ہو۔

"یہ چار لڑکے میرے پرسنل باڈی گارڈ کے افراد ہیں اور میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسے چار اسمارٹ اور ذہین لڑکے تم کو ماضنین میں نہیں ملیں گے۔ ان کو اپنے ساتھ اپنے نئے مکان میں لے جاؤ اور یہ تم کو تمھارے کام میں اور پارٹی کے ممبروں کو تمھاری ہدایات وغیرہ پہنچاتے رہنے میں بے حد کارآمد ثابت ہوں گے۔ صرف اس شہر میں دو لاکھ ممبر پارٹی کے رولز پر ہیں۔

"اگر میں نے پہلے یہ واضح نہیں کیا تو اب واضح کرتا ہوں کہ تم کو بہر حالت اپنی روزی خود پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پارٹی فنڈز محدود ہیں اور کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ تم بجائے ان کو کم کرنے کے ان کو بڑھاؤ؟ تم ایک بُوٹ بنانے والے کا پیشہ اختیار کر سکتے ہو اور سارجنٹ جیسا

ہوشیار آدمی دوسری ہزاروں چیزیں کرنے کی تجویزیں سوچ سکتا ہے۔ مثلاً وہ ایک روحانی امراض کے ماہر کا کام شروع کر سکتا ہے جس کا موجودہ اسکوپ ماضنین میں لامحدود ہے، یا کسی مقامی سرکس میں (گرانڈ چینی بہادر سرکس کا پروپرائٹر میرا دوست ہے۔ ہم کلاس فیلو تھے۔ وہ اس کی ہر ممکن امداد کرے گا۔) شیروں کا رنگ ماسٹر بن سکتا ہے۔ اس کی شخصیت ہے اور اسے رنگ ماسٹر بننے کے لیے صرف چند میڈل چاہییں۔ (گرانڈ چینی بہادر سرکس کے شیر بالکل بے ضرر ہیں اور سبزی اور دودھ پر پلے ہوئے ہیں۔)

"چھ مہینے میں مجھے یقین ہے کہ تم نہ صرف پارٹی کے فنڈز میں ایک معتد بہ اضافہ کر سکو گے بلکہ کافی روپیہ جمع کر سکو گے۔ تم کو اسٹیمر میں یوکناپوٹاوابا جانے کا خیال فی الحال چھوڑ دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے رومولو تم کو گرفتار کرا لے۔ یا نہ بھی کرائے، پھر بھی تم کو کسی دفتر میں کام ڈھونڈنا پڑے گا جس کا زیادہ چانس نہیں کیوں کہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں تمھاری ٹائپ کی رفتار خاطر خواہ اور تسلی بخش نہیں۔ یوکناپوٹاوابا ایک صنعتی ملک ہے اور میرا خیال نہیں کہ دستی بنے ہوئے جوتوں کی وہاں کوئی کھپت ہو سکتی ہے۔ خیر تب تک میں غالباً جیل سے باہر آچکا ہوں گا اور ہم اس پر مزید بحث کر سکتے ہیں۔

"یہ ہدایات کافی ہونی چاہییں۔ تم خود اپنے دلائل اور اپنی ذہانت کو بروئے کار لاؤ تو تمھارے دریافت کیے جانے کی کوئی صورت نہیں۔

"میرا باڈی گارڈ اب تمھارا باڈی گارڈ ہے اور تم کو خزانچی ڈرٹی اور میری دکان والے دوست کے پتے معلوم ہیں۔ اپنے آپ کو ان کے ہاتھوں میں چھوڑ دو۔

"فقط۔ تمھارا مخلص،

"کامریڈ ہوت۔"

"پوسٹ اسکرپٹ: ایک بات رہ گئی۔ تم کو نام تبدیل کرنے پڑیں گے کیوں کہ تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تم ایف پوپو اور بزفر نہیں ہو۔ ہوت۔"

ہوت" میں نے بزفر سے کہا، "ونڈرفل ہے! اور اسے ہمارا کتنا خیال ہے۔ اور حیرانی کی

بات ہے کہ اس کے گرفتار کرنے والوں نے اسے اتنا لمبا خط لکھنے دیا۔"

باڈی گارڈ میں سے ایک نے کہا، (وہ ایک آٹھ سالہ لڑکا تھا جس کا نام بادشاہ تھا) "اوہ یہ سپاہی! یہ سب بوت کے دوست ہیں۔ وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے سب کچھ کرتے ہیں مگر جب ان کو اوپر سے حکم ملتا ہے تو ان کو اطاعت کرنی پڑتی ہے۔"

چاروں لڑکے ہم کو پہلے خزانچی ڈرٹی کے پاس لے گئے جو وسطی جوہڑ کے درمیان ایک چھوٹے جزیرے پر رہتا تھا، اور ہمیں اپنی پتلونیں اوپر اٹھا کر پانی میں سے گزرنا پڑا۔ ڈرٹی اتنا ہی میلا تھا جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا تھا اور اس کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ہم نے اسے بوت کا خط دکھایا اور اس نے اسی وقت ذرا سے بھی تعجب کے اظہار کے بغیر زمین سے ایک جگہ سے مٹی سرکائی اور اس میں سے ایک چھوٹا چوبی بکس نکالا۔

"اس میں ۵۰ روبل کی بالکل ٹھیک رقم ہے جس کا خط میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ۴۰۰ روبل باؤلر ہیٹ کے اور باقی تمہارے اوائل کے اخراجات کے لیے۔"

ڈرٹی کے بعد ہم اندرونِ شہر کی گلیوں میں سے پھرتے ہوئے ریشم کے بازار میں ایک چھوٹی دوکان پر آئے جہاں کپڑے کے تھانوں کے پیچھے ایک یرقانی آنکھوں اور پُروقار توند والا شخص بیٹھا اپنی بہی کی جانچ پڑتال کر رہا تھا اور اس کے چہرے کے اداس تاثر سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہی غالباً سخت نقصان کا پتا دیتی ہے۔

یہ بوت کا دوست تھا۔ ہم نے چار سو روبل باؤلر ہیٹ میں رکھے اور بڑے اخلاق اور درباری طریقے سے جا کر ٹھیک اس کی لمبی ناک کے نیچے بہی کے اوپر رکھ دیے۔ وہ چونک سا اٹھا۔ اُس نے ہمیں اپنی یرقانی آنکھوں سے دیکھا اور پھر وہ ایک نرم سی ریشمی ہنسی ہنسا۔

"باؤلر ہیٹ اب پانچ سو روبل ہے۔ مگر چوں کہ تم کو غالباً بوت نے بھیجا ہے، اس لیے میں اس کو لے لوں گا۔" اس نے چار سو روبل کے نوٹ باؤلر ہیٹ میں سے نکالے، ان کو احتیاط سے چھ سات بار گن کر اپنی جیب میں ڈالا اور باؤلر ہیٹ پھر ہم کو واپس دے دیا۔ اس رسم کے ادا ہو جانے کے بعد اس نے ہمارے اور باڈی گارڈ کے لیے چھ پتے منگوائے اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک تلوار پیش کی۔ اس کے بعد اس نے ہم سے کہا کہ آپ جا سکتے ہیں۔

تم کیا جانو؟ ہم واقعی جا رہے تھے مگر ہمارے باڈی گارڈ میں سے دو نے دھمکانے کے انداز میں آگے بڑھ کر اس سے کہا، "اور یہ دکان؟ یہ دکان ہمیں کب ملے گی؟ اب ہم نہیں جائیں گے بلکہ تم جاؤ گے!"

اس نے کہا کہ میں کل تک دکان کو خالی کر سکوں گا، اتنا سامان رکھا ہے... مگر باڈی گارڈ نے اسے ہوت کے نزدیک ہی ہونے کی دھمکی دی جس پر اس نے اسی وقت جلدی سے ایک دو ٹنگی منگوائی اور اپنے سارے تھان، جو سات آٹھ ہی تھے، اس پر لاد دیے۔ جب وہ اپنا چھوٹا سا ڈیسک اور گاؤ تکیے وغیرہ اٹھانے لگا تو ہمارے باڈی گارڈ نے پھر اس کو ان کے ساتھ لے جانے سے روک دیا۔ "فرنیچر ہمارا ہے۔ اس پر ہمارا حق ہے۔"

ہم نے آخر اس کو وہ سب چیزیں لے جانے دیں جو وہ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم خواہ مخواہ جھگڑا پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے اور پھر ہم کو ان چیزوں کی ضرورت بھی نہ تھی کیوں کہ ہمیں اس کو کپڑے کی دکان بنانا ہی نہ تھا۔ شام تک ہم باڈی گارڈ کی مدد سے ایک ٹین کا سائن بورڈ بنوانے میں کامیاب ہو گئے جس کے اوپر لکھا تھا:

> اپنے جوتے یہاں مرمت کرائیے
> مسٹر ایچ ایم گلاب، فارن ٹرینڈ، بوٹوں کا ایکسپرٹ
> عامل کامل ماہرِ روحانیات پروفیسر بگھیرا، پی ایچ ڈی (ٹمبکٹو)

یہ ظاہر ہے کہ ایچ ایم گلاب دراصل ہز ایکسیلنسی ٹی این پوپو پالنہار چوکا مانیفو تھا اور پروفیسر بگھیرا سارجنٹ بزفر کا نیا نام تھا۔ یہ دونوں نام ہم سے یہاں چھ ماہ تک چپکے رہنے تھے اور ان نئے آنے والے دنوں میں ہمیں اپنے الگ الگ پیشوں میں ایک حقیقی ناموری حاصل کرنی تھی۔

وہ دن ہمارے لیے کئی لحاظ سے بے حد مصروفیت کا تھا۔ بچے کھچے روبلوں سے اپنے باڈی گارڈ کی مدد سے ہم نے پرانے کپڑوں کے کباڑیوں سے زیادہ مناسب کپڑے لیے جن میں ہم زیادہ

کانپ کوئیں نہ لگیں۔ میں نے ایک دھوتی خریدی جو یہاں کا عام لباس ہے اور ایک لمبا گلو بند کوٹ۔ ہم نے اپنے اپنے پیشوں کے اوزار اور ضروری اشیا بھی خریدیں۔ میں نے سوئیاں اور کیلیں اور چھوٹے موٹے اوزار لیے جو موچی کے پیشے میں کام آتے ہیں اور سارجنٹ بزفر نے روحانیات پر چند درسی کتابیں مثلاً "نسخۂ تسخیرِ جنات" اور "جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے" خریدیں۔ بعد میں سارجنٹ نے اپنی شاندار گپھےدار مونچھوں کو مہین نوکدار مونچھوں میں ترشوا لیا، ایک چھوٹی پُر تمکنت ڈاڑھی بڑھالی اور سیاہ گاؤن پہننا شروع کر دیا، اور میرا خیال ہے کہ سارجنٹ اس وقت پارٹ ادا نہیں کر رہا تھا بلکہ فی الواقع یہی یقین کرنے لگ گیا تھا کہ وہ ماہرِ روحانیات ہے۔

اسی رات کو میں نے ایک آدمی کو "شترا باٹائمز" بیچتے دیکھا اور اس سے ایک کاپی خرید لی اور پیومنٹ پر ایک بجلی کے بلب کے نیچے بیٹھ کر خبریں پڑھنے لگا۔

پہلی سرخی تھی:

"رومولو گورنمنٹ یوکناپوٹاوابا میں برسرِ اقتدار آ گئی۔ غداروں کا قلع قمع۔

"ناصنین کے بڑے کابو کا پریزیڈنٹ رومولو کو مبارکباد کا تار۔ (یوکناپوٹاوابا میں ہمارے نمائندۂ خصوصی مسٹر آئی۔ بکرا کے قلم سے)۔

دوسرے کالم میں ایک سرخی ہمارے فرار کے بارے میں تھی:

"مسٹر پوپو، یوکناپوٹاوابا کے خودساختہ پریزیڈنٹ اور اس کے ملٹری سیکریٹری سارجنٹ بزفر عرف سارجنٹ مونچھ کا گورنمنٹ ہاؤس سے دن دہاڑے فرار۔

"شیف نے ان کو بیرونی دیوار کے اوپر چڑھتے دیکھا مگر سمجھا کہ وہ ورزش کر رہے ہیں۔

"پل جک پچ ہیڈ کوارٹرز میں تیز سرگرمی۔"

اس کے نیچے ایک چھوٹی سی خبر تھی:

"ایس اے ٹائمز بے انتہا افسوس کے ساتھ اطلاع دیتا ہے کہ چیف آف بنگاؤ اور ان کے اسٹاف کے دو آدمیوں کو چڑیا گھر کے معائنے کے وقت بھورا راجہ نامی شیر نے کھا لیا ہے اور ان کی ہڈیاں کل شام بذریعۂ ہوائی جہاز بنگاؤ روانہ کر دی گئی ہیں۔ [ایڈیٹر نے اس بات کو صاف نہیں

کیا کہ معائنہ کون کر رہا تھا، بھورا راجہ یا چیف آف بنگاؤ۔] پل جک مچ کا
خیال ہے کہ اس میں دونوں مفروروں مسٹر پوپو اور اس کے ساتھی بزفر کا
ہاتھ ہے کیوں کہ اسی حلیے کے دو آدمی اس وقت چڑیا گھر میں دیکھے گئے
تھے اور بھورا راجہ کے پنجرے کے سامنے ایک عجیب زبان میں اس سے
باتیں کرتے رہے تھے۔ اس ضمن میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بھورا راجہ
یوکنا پوٹاوابا کے سابق پریزیڈنٹ موسیو بھبھر کی ہمارے چڑیا گھر کو
سوغات تھا۔"

خبروں کے میٹر کی تفصیل دینے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف اتنا لکھتا ہوں کہ اس میں ایس اے ٹائمز نے میرے اور سارجنٹ بزفر کے متعلق حیرت انگیز انکشافات کیے تھے جو خود ہمارے لیے بھی حیرت انگیز تھے۔ ہمیں اس قسم کے کامپلیمنٹ پیش کرنے کے بعد ("یہ شہدے"، "یہ موبجی کا چالاک بچہ"، "یہ مونچھوں والا سستا ایکٹر" وغیرہ ان میں سے چند ہیں) یہ دریافت کیا گیا تھا کہ ہم نے یوکنا پوٹاوابا کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیا اور اس کے لیے فاشی طریقے اختیار کیے۔ رومولو کو مکمل جمہور پسند بتایا گیا تھا۔ اور جو چاے کی پیالی اس نے ایس اے ٹائمز کے اسٹاف رپورٹر کو اپنا کودیتا کرنے سے پہلے اپنے خوبصورت دیہاتی گھر پر پلائی تھی، رپورٹر کے نزدیک رومولو کی مہمان نوازی، غریب پروری اور وسیع القلبی کو ثابت کرتی تھی۔ رپورٹر نے لکھا تھا کہ رومولو جمہوری طریقے سے آگے بڑھا ہے اور اسے صد ر بننے کے لیے صرف یوکنا پوٹاوابا کی موجودہ سینیٹ کے چالیس غدّار ڈپٹیوں کو مجبوراً اور ملک کی بہتری کی خاطر گولی سے اڑوانا پڑا ہے۔

ایڈیٹوریل خود ایف ایل پٹاخا کے اپنے دستخطوں سے مزیّن تھا۔ اس کا عنوان تھا "حق کی فتح" (حق رومولو تھا)۔ ایک بے حد پاپائی اور فضیلت مآبی کے طرز میں اس نے پہلے یوکنا پوٹاوابا سے ماضنین کے پچھلے تعلقات کی تاریخ کا اعادہ کیا تھا، پھر آگے لکھا تھا کہ "مسٹر پوپو اور اس کی سوشلسٹ پارٹی سے ماضنینیوں کو کبھی ہمدردی نہ تھی اور جب ان کو پچھلے انتخابات میں غالب اکثریت سے فتح ہو گئی اور مسٹر پوپو نے حکومت کی تشکیل کی تو دنیا کے سب ذہین آدمیوں نے اس کو مستقبل کے لیے اور اس بد قسمت ملک کے لیے ایک بُری فال سمجھا۔ اس کی گونج خود ہمارے ماضنین میں

سنی گئی۔ ہماری ایک جماعت (کھلی ہوا کے عاشق) ہمارے خیال میں مسٹر پوپو کی تنخواہ دار تھی۔ اب جب مسٹر روملو نے پھر سے (اور بالکل جمہوری طریقوں سے) غداروں اور ملک کو تباہی میں لے جانے والوں سے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے، ساری مہذب دنیا ایک چین کا سانس لے گی۔ بڑا خطرہ دور ہو گیا ہے جو ایک طرح ماضنین کے لیے بھی خطرہ تھا اور اس میں ہمارے لیے ایک سبق ہے کہ اندر کے دشمن سے بچ کر رہو۔ پوپو گورنمنٹ کا خاتمہ ہمارے سامنے اس بد قسمت اور غلط کار سیاسی شعبدہ باز (ہماری مراد مسٹر پوپو سے ہے) کا مستقبل لاتا ہے جو اس وقت غالباً ہمارے ملک میں ہے۔ (وہ گورنمنٹ ہاؤس سے فرار ہو چکا ہے۔) وہ اس ملک میں اپنے یوکناپوٹاوابا کا ایک اہم معاہدہ لے کر آیا تھا جس کا مطلب ماضنین اور یوکناپوٹاوابا کی سوشلسٹ اسٹیٹ کے تعلقات کو گہرا اور ظاہراً زیادہ نزدیک کرنا تھا مگر دراصل جس کی تکمیل ہمیں اس چالاک شخص کے کمینے ارادوں کے پھندے میں بے بس باندھ کر رکھ دیتی۔ یہ آفت بروقت ٹل گئی اور ہم کو تو اس میں بینیٹو کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اس شخص کا مستقبل دونوں حکومتوں کا کنسرن ہے۔ روملو گورنمنٹ اس غدّار مجرم کی واپسی کا عنقریب مطالبہ کرے گی اور ہمیں اپنے اس معزز مہمان کو اور اس کے اس دستِ راست خطرناک ڈپلومیٹ سارجنٹ بزفر کو (جس کی شترابا میں جنسِ لطیف میں بعض گوئنگز آن ایک قومی اسکینڈل بن چکی ہیں) جلد یا بدیر گرفتار کر کے ان کے وطن یوکناپوٹاوابا بھیجنا پڑے گا جہاں ایک فوجی ٹرائل اور ایک حق بجانب موت ان کا انجام ہو گی۔

"گورنمنٹ کو (اور ہماری درخواست خصوصاً پل جک مچ سے ہے) ان دو خطرناک مجرموں کو فوراً راؤنڈ آپ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو رپورٹیں ہمیں پہنچی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک شترابا میں ہیں۔ خود بڑے کابو کی شان اور بلندی والی ہستی نے اس شکل کے دو آدمیوں کو افضل تر کابو کی سمادھی کی پہاڑی کے نیچے چڑیا گھر کی سمت جاتے ہوئے دیکھا تھا (جب وہ ہز بائی نس چیف آف بنگاؤ کو سمادھی پر لے گئے تھے) اور چیف آف بنگاؤ کی افسوسناک ہلاکت کے پیچھے ان دو خوفناک کرداروں کا کام کرتا ہوا ہاتھ ہمارے نزدیک واہمہ نہیں اور پل جک مچ کے چیفس اس جگ سا پزل کو حل کر کے اس ملک کے کئی آدمیوں کے شکریے کے جذبات جیتیں گے۔

"شیر بھورا راجہ خود اس تفتیش میں مفید ہو سکتا ہے۔ وہ یو کنا پوٹاوابا کے بعض فقروں مثلاً بیٹھ جاؤ! کھڑے ہو جاؤ! کو سمجھتا معلوم ہوتا ہے۔ اور کون جانتا ہے کہ اس کا علم ان دو فقروں تک ہی محدود ہے؟"

ہوت کی گرفتاری کی خبر بھی تھی مگر شہر میں جرائم کے عنوان کے نیچے اور مختصراً، کیوں کہ ایف ایل پٹاخا کی ایک تکنیک یہ تھی کہ اگر ہوت اور اس کے ساتھیوں کی کار گزاریوں کو پرچے میں بالکل بلیک آؤٹ کر دیا جائے تو لوگ یہ یقین کرنے لگ جائیں گے کہ کھلی ہوا کے عاشقوں کا وجود ہی نہیں۔ تو گویا یہ سب لوگ اب ہماری جان کے پیچھے پڑے تھے۔ اس احساس نے ہماری زندگی کو پُراضطراب اور دلچسپ سا بنا دیا۔

ہم اور لڑکے لوگ (ہمارے باڈی گارڈ) دکان میں ہی سوئے اور صبح کو اپنے مختلف کاموں پر شہر کے مختلف حصوں میں چلے گئے (پارٹی کے لیے فنڈز آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں کی جیبوں سے نکالنے کے لیے)۔ اور میں نے اور بزفر نے ___ میرا مطلب ہے مسٹر گلاب اور پروفیسر بگھیرا نے اپنے پیشوں کی ضروریات اور لوازمات سامنے رکھ کر ایک طرح کی نئی اور سنسنی خیز زندگی کا آغاز کیا۔

***

صبح سے شام تک ہم دکان پر بیٹھتے۔ پہلے دن میرا کوئی گاہک نہ آیا اور میں سارے دن بیٹھا اپنے بُوٹ گانٹھتا رہا جو میں صدر مجلسِ عاملہ سے لے آیا تھا۔ ایک دو کمزور آدمی، جو اپنی بیویوں سے بہت زیادہ خوف زدہ معلوم ہوتے تھے، سارجنٹ بزفر کے پاس آئے اور سارجنٹ نے "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" میں سے منتر کاغذ کے پرزوں پر نقل کر کے ان کی گولیاں بنا کر ان کو دیں اور ہدایت کی کہ جاتے ہی اپنی بیویوں کو کہیں کہ ان کو دودھ کے گلاس کے ساتھ نگل جائیں۔ اس دن ہماری سارے دن کی آمدنی آٹھ روبل ہی ہوئی۔ اگرچہ لڑکے شام کو واپسی پر چند مفید چیزوں کی سلیکشن لے کرائے: ایک صلیبی گھڑی مع زنجیر، ایک پلاسٹک کا کنگھا، ایک بٹوا جس میں سو روبل

کے دو نوٹ تھے اور یوکنا پوٹاوابا کے عمدہ ورجینیا کے سگریٹوں کے دو پیکٹ۔

ہمیں ان میں سے بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی۔ میری گھڑی ٹھیک ٹائم نہیں دیتی تھی۔ گھر میں کنگھی بھی نہیں تھی اور سگریٹ... اوہ سگریٹ! مگر ان سب چیزوں کو پارٹی فنڈز میں جانا تھا۔ گھڑی کی گروی کی قیمت تھی۔ کنگھی اور سگریٹ کھلی ہوا کے عاشقوں کی سانجھی ملکیت تھے۔ میں نے ان سب چیزوں کو حساب کی کاپی میں آمدنی کے کالم کے نیچے درج کر دیا۔ لڑکوں کے پاس کنگھی نہ تھی اور ان کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا دوسرے کھلی ہوا کے عاشقوں کا، اس لیے کنگھی ان کو دے دی گئی۔ سگریٹ مجلسِ عاملہ کی اگلی میٹنگ کے لیے ایک اسپیشل ٹریٹ کی خاطر رکھ لیے گئے اور میں نے تلواروں پر قناعت کی۔

رات کو ہم نے ایک ریستوران میں سادہ کھانا کھایا اور پھر میں نے اور بزفر نے لڑکوں کو کہانیاں سنائیں، اگرچہ وہ بعض وقت ایسے سوال کر بیٹھتے کہ میں اور سارجنٹ لاجواب ہو جاتے۔

جوں جوں دن گزرتے گئے ہمارے گاہک بڑھنے لگے اور ہم ایک چھوٹے طریق پر فارغ البال ہو گئے۔ لڑکوں میں سے ایک ایک دن ٹین کی دو کرسیاں اٹھا کر لے آیا جو اس نے ایک لیکچر ہال سے چرائی تھیں، اور ہم نے ان کو دکان میں رکھ لیا۔ وہ شخص جس نے یہ دکان ہمیں دی تھی ایک دن اپنی چاندنی لینے کے لیے آیا جس پر ہم سویا کرتے تھے۔ ہم نے صاف انکار کر دیا کیوں کہ (جیسا کہ مثل ہے) چاکلیٹوں جیسے میٹھے نہ بنو کہ لوگ تم کو ہڑپ ہی کر جائیں۔ رفتہ رفتہ ہم نے کافی فرنیچر اکٹھا کر لیا اور عیش و آرام کی تھوڑی بہت چیزیں بھی فراہم کر لیں۔ دکان کی الماریاں اب پارٹی کے اہم کاغذات اور مجلسِ عاملہ کی کارروائیوں کی رودادیں رکھنے کا کام دیتی تھیں، اگرچہ ساری میٹنگز اب بھی اسی بڑ کے پیڑ کے نیچے ہوتی تھیں۔

سارجنٹ بزفر کا نیا کاروبار خوب چمکا اور جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا ہے اس نے پوری جان اور دل سے اپنے آپ کو ماہرِ روحانیات کے رول میں ڈھال لیا، یہاں تک کہ اس کی اس بھڑکیلی فوجی ہیئت نے ایک خدا رسیدہ ولی کی ہیئت کو جگہ دے دی۔ وہ اب سو فیصد جادوگر تھا۔ دشمن کو رفتہ رفتہ عذاب سے مارنے، سنگ دل محبوب کو قدموں میں بلانے، افسر کو خوش کرنے، دنیا جہان کے ہر ایک دکھ اور مرض کے اس کے پاس عملیات اور تعویذات تھے۔ اب اسے اس

فن کی اسٹینڈرڈ کتابوں کے حوالے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس کے اپنے ایجاد کیے ہوئے عمل بعض حالات میں اتنے حیران کن حد تک موثر ثابت ہوئے کہ فائدہ اٹھانے والوں نے اسے سرٹیفکیٹ آف میرٹ عطا کیے اور ایک لڑکی کے کیس میں جس پر ایک خاص طور سے کینہ ور جن بری طرح عاشق تھا، سارجنٹ کے جن کا عشق چھڑانے کا عمل اس درجہ کامیاب ہوا کہ لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کی شادی بزفر کے ساتھ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ بزفر نیم رضامند تھا مگر میں نے اسے اس راستے کی پیچیدگیاں اور الجھنیں سمجھا کر بصد مشکل روکا۔

میرا خیال ہے کہ دنیا میں کہیں بھی پولیس اتنی نااہل نہیں ہے جس قدر ماضنین میں۔ اگر ہم کسی اور جگہ ہوتے ـــــ یوکناپوٹاوابا میں ہی ہوتے ـــــ تو فوراً پکڑ لیے جاتے۔ پل جک پچ کو ہمارا سراغ ابھی تک نہیں ملا تھا اور ایس اے ٹائمز کی خبروں سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا خیال ہے کہ ہم اب ماضنین میں نہیں ہیں۔ میں اور سارجنٹ دن دہاڑے تقریباً آزادی سے اپنے کاموں پر آتے جاتے تھے، پھر بھی ہم عموماً عطر بازار اور گورنمنٹ ہاؤس کے آس پاس جانے سے احتراز کرتے۔

پارٹی کی میٹنگیں بڑ کے درخت کے نیچے باقاعدہ ہفتے میں ایک دو بار ہوتی تھیں اور کافی معاملات پر فیصلے کیے گئے۔ چھ سات ایکٹ پاس ہوئے اور بڑ کے تنے پر کھودے گئے۔ نوجوان پارٹی جس میں قنوط اور دوسرے لوگ تھے، چاہتی تھی کہ ہوت کو آزاد کرانے کے لیے جیل خانے پر دھاوا بولنا چاہیے۔ لیکن یہ دانشمندانہ طریقہ نہ تھا۔ جیل خانے کی چھت پر دو تین مشین گنیں نصب تھیں جن کے پیچھے ہمیشہ پل جک پچ ہوتے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہوت کو بھی پارٹی کے بعض ممبروں کے اس خیال سے آگاہی ہوئی اور اس نے ایک صبح کپڑوں کی گلی میں ہماری دکان پر اپنے ایک قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ جیل میں خوش ہے اور اس کا وزن بڑھ گیا ہے۔ "جیل خانے پر حملہ مت کرو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔ اس سے فائدہ بھی کچھ نہیں اور جیل خانے کی چھت پر مشین گنیں ہیں،" ہوت نے کہا تھا۔ میں نے قاصد کے ہاتھ ہوت کے لیے چاکلیٹوں اور سگریٹوں کے تحفے بھیجے اور اسے یقین دلایا کہ ہم کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں گے جو ہماری مصیبتوں کو زیادہ کرے۔

اور ہم نے ہوت کی کھلی ہوا کے عاشقوں میں پیسے تقسیم کرنے کی عادت کو جاری رکھا اور

لاتعداد ممبر بنائے گئے اور اس چھ مہینے کے عرصے میں، جب ہوت جیل میں تھا، ہم نے ۵۰۰۰ ممبر اور بنائے۔ اس عرصے میں ہم نے یوکناپوٹاوابا کے لیے اپنا کرایہ بھی پیدا کر لیا مگر ہمارا یوکناپوٹاوابا جانے کے لیے پاسپورٹ حاصل کرنا ناممکنات میں تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال پاسپورٹ مل جاتا اور ہم اسٹیمر میں روانہ ہو جاتے تو یقیناً سو میں سے ننانوے چانس اس کے تھے کہ یوکناپوٹاوابا کی ہوشیار پولیس ہمیں ساحل پر قدم رکھتے ہی دھر لیتی۔ ہمیں وطن اور گھر جانے کا خیال پھر بھی تنگ کرتا رہا لیکن ہم نے اس کو ہوت کے رہا ہونے تک ملتوی رکھنے کا فیصلہ کیا۔

ایک دن میں ایک مقامی تاجر کے بوٹوں میں نئے تلوے لگا رہا تھا کہ سارجنٹ بزفر، جو اپنا بریف کیس ہاتھ میں لیے اپنے پیشہ ورانہ راؤنڈ پر گیا ہوا تھا، ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بے حد اضطراب میں معلوم ہوتا تھا۔ شترابا میں ٹمپریچر بمشکل ۴۰ ڈگری سے اوپر جاتا ہے، پھر بھی بزفر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔

"یور آنر، جلدی کرو!" بزفر نے رکتے ہوئے کہا۔ "انھیں ہمارے اس ٹھکانے کا پتا لگ گیا ہے اور ابھی پل جک مچ کے آدمیوں نے میرا اس دکان تک پیچھا کیا ہے۔" اور اس نے کندھے کے اوپر سے دیکھا۔ "وہ سامنے... وہ دو تربوش والے شخص۔"

یقیناً وہاں سامنے کی دیوار کے پاس دو تربوش والے آدمی کھڑے ہماری دکان کے باہر سائن بورڈ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پل جک مچ کی وردیوں میں تھے۔ آخر ان میں سے ایک دکان کی طرف آیا اور اندر چلا آیا۔ اس کا چہرہ مجھے کچھ کچھ پہچانا ہوا لگا۔

"مسٹر ایچ ایم گلاب بوٹوں کے بنانے والا، یا ہز ایکسیلنسی پوپو پالنہار چوکا مانیفو! پروفیسر بگھیرا پی ایچ ڈی (ٹمبکٹو) یا سارجنٹ بزفر ملٹری سیکریٹری ٹو ہز ایکسیلنسی! میں ہوں آپ کا خادم..."

اوہ میرے خدا! میں کتنا بے وقوف تھا۔ یہ تو ہوت تھا! مگر وہ چھوٹی ڈاڑھی جو وہ رکھے ہوئے تھا اور اس کی پل جک مچ کی اس عجیب وردی میں جو وہ پہنے تھا کون اسے پہچان سکتا تھا۔ وہ کچھ پہلے سے موٹا اور بھرا ہوا لگ رہا تھا اور گالوں کی ہڈیاں اب اتنی نمایاں نہ تھیں۔

"ہوت، یہ تم ہو!" ہم خوشی سے چلائے۔

"ہاں، یہ ہوت ہی ہے۔ پوپو! میں جیل خانے سے بھاگ آیا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ان کا مجھے چھوڑنے کا ارادہ نہیں اور وہ مجھ پر کورٹ میں مقدمہ چلا کر میرا جرم ثابت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ سو میں نے فیصلہ کیا کہ ان کو سلپ دے آؤں۔ پل جگ مچ مجھے گرفتار نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ میں ان میں سے ایک معلوم ہوتا تھا۔ ابھی آدھ گھنٹا پہلے میں ان کے ہیڈ کوارٹرز میں ایک شہر کے بدمعاش ہوت کے سنٹرل جیل سے پُراسرار فرار پر ان کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔"

"اور یہ دوسرا تربوش والا آدمی کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ میرا قید خانے کا ساتھی ہے،" ہوت نے کہا "ہم اکٹھے ہی بھاگے ہیں اور ہماری جگہ دو پل جگ مچ کے آدمی بنڈل بنے ہوئے اور ہمارے قیدیوں کے لباس میں ہمارے زندانوں میں پڑے ہیں۔ ... پہلے ہمیں کھانے کو کچھ دو۔"

ہوت نے اپنے ساتھی کو بھی اندر بلا لیا۔ ہم نے ان کو کھانے کے لیے کچھ بسکٹ دیے اور ٹھنڈے پرانے پنیر کا ایک ٹکڑا جو ہمارے یوکناپوٹاوابا کا اسٹینڈرڈ ڈسپر ہے۔

"میں یہ ستھرا خالص پنیر ایک عمر کے بعد کھا رہا ہوں،" ہوت کے ساتھی نے کہا۔

وہ ایک لمبا، قوی ہیکل اور بے حد طاقتور آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں تنگ اور ایک دیوانے کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں اور اس کی پیشانی، وسیع اور فراخ، اس کے گنجے سر کے گنبد میں مدغم ہو جاتی تھی۔ وہ ظاہراً ایک فارنر تھا اور بعد کی دریافت سے ہمارا قیاس ٹھیک نکلا۔ اس کا ملک کا کیشیا تھا، اگرچہ اس کا باپ ایک جرمن تھا۔ اس کا نام بیس تھا۔

"بیس ایک سائنٹسٹ ہے،" ہوت نے ہمیں سمجھایا۔ "وہ اپنے ملک میں ایک اہم ریسرچ پر لگا ہوا تھا اور اس نے آخر اس تباہ کن بم کے راز کو دوبارہ دریافت کر لیا جس سے پاگل ساگلووچ نے آدھی مہذب دنیا کو تباہی اور موت کا کھنڈر بنا دیا تھا۔ اس کی حکومت اس کو اس بم کی پروڈکشن پر لگانا چاہتی تھی مگر ایک سچے سائنٹسٹ کی طرح اس نے یہ راز اور یہ طاقت غیر ذمے دار احمقوں کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا۔ آخر اسے وہاں سے ایک چھوٹی کشتی میں بھاگنا پڑا۔ راستے میں ایک افریقی تجارتی ڈھو (dhow) والوں نے جو آدھے تاجر تھے اور آدھے بحری قزاق (جیسی ضرورت ہوتی تھی) اس کو ایک طوفانی سمندر میں سے بچا لیا مگر انھوں نے اس کے بدن سے

اس کے سب کپڑے اتار لیے اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس سے اس کو محروم کر دیا۔ ناخدا اس کو پھر دوبارہ سمندر میں پھینکنا چاہتا تھا کیوں کہ یہ ان کے لیے اب زیادہ کام کا نہیں تھا اور ایک پیٹ زیادہ تھا جس کو خوراک درکار تھی، مگر ہوا یہ کہ ایک بڑا طوفان آیا اور دو ملاح عرشے سے گر کر پانی کی اُچھال کی نذر ہو گئے اور ملاحوں کی کمی ہونے کی وجہ سے ناخدا نے ہیس کی موجودگی میں فائدہ دیکھا۔ جب ڈھو شترابا کے پتن پر لگی اور اپنا چمڑے کا مال اتار رہی تھی، ہیس نے ناخدا اور دوسروں کو مصروف پایا۔ وہ چپکے سے بھاگ پڑا۔ اس کے پاس ایک کوڑی نہ تھی۔ کچھ عرصے تک وہ چوری کرتا اور بھیک مانگتا رہا جو کہ کھلی ہوا کے عاشقوں کا ایک ہی ممکن پیشہ ہے اور ایک ہی کریئر۔ ایک دفعہ ایک معزز شہری کی جیب کترتے وقت وہ پکڑا گیا۔ کورٹ نے اسے چار سال قیدِ سخت کی سزا دی ... پوپو، ہمیں کچھ اور کپڑے دو۔ ان پل جک مچ کی وردیوں نے اپنا کام دے دیا ہے اور اب ان کو پہنے رکھنا محفوظ نہیں ہو گا۔"

ہوت کے آجانے کی خبر اس کی اپنی ہدایت کے مطابق کھلی ہوا کے عاشقوں سے اخفا میں رکھی گئی اور تین دن تک وہ دکان کی پچھلی کوٹھڑی سے باہر نہیں نکلا۔ ہوت پولیس اور پل جک مچ کو الو بنانے کے آرٹ میں ماہر تھا۔ ایک دن اس نے اپنے آپ کو ایک قدیم بڑھیا کے سوانگ میں تبدیل کر لیا: جھرّیاں، پوپلا منھ، چاندی کے بکھرے ہوئے بال سب مکمل تھے۔ وہ اس روز سارا دن باہر رہا اور جب شام کو واپس لوٹا تو خالی ہاتھ نہ تھا۔ اس کے پاس سونے کی نب کا کبھی نہ خشک ہونے والی سیاہی والا ایک نیا فونٹن پین تھا اور ایک ململ کا تھان۔ وہ دراصل ان کی خاطر نہیں نکلا تھا بلکہ اس کا مقصد خبریں حاصل کرنا تھا اور وہ چند اہم اور افسوسناک خبریں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"چیف آف پولیس کو تمھارے فرار پر غفلت اور نااہلی کی بِنا پر ڈِس مس کر دیا گیا ہے اور میں اس کو ابھی ابھی ایک درآمد برآمد کمپنی کے باہر امیدوار سیلزمین کے کیو میں کھڑا ہوا دیکھ کر آیا ہوں۔ میں بلکہ اس تک گیا، اس کو بیٹا کہا، اس کی بیوی کے جلد اس کو ایک اور وارث پیش کرنے کے متعلق اس کو خوش خبری دی اور اس سے دو روبل مانگنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی۔ مجھے اس بیچارے پر واقعی افسوس ہے۔ وہ دل کا برا نہیں تھا..." ہوت نے ہمیں بتایا۔ "اور

دوسری خبر جو میں نے حاصل کی ہے وہ گورنمنٹ ہاؤس کے ہیڈ شیف کی دی ہوئی ہے۔ میں نے اس کے دو تین کام کیے تھے جو اسے یاد ہیں۔ لاریب میں نے اسے بتا دیا کہ میں بڑھیا نہیں ہوں بلکہ بھوت ہوں۔ اس نے مجھے بڑے کابو کے متعلق چند حیران کن راز بتائے... میرا مطلب ہے بڑے کابو کے موجودہ دماغی عارضے کے متعلق، کیوں کہ اس عارضے کے متعلق اخباروں میں کچھ نہیں آتا اور وزارتِ جھوٹ اور ایف ایل پٹاخا اس کو ہَش اَپ کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند دنوں سے بڑے کابو کا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سینہ نکال کر اور اکڑ کر اتراتا ہوا اپنے پرسنل اسٹاف کے مکانوں میں جا گھستا ہے اور ان کو ان کی بیویوں کی جسمانی خوبصورتی پر مبارکباد دیتا ہے، جو ان کو چاروناچار قبول کرنی پڑتی ہے۔ اگلے دن اس نے (ہیڈ شیف نے مجھے بتایا) گورنمنٹ ہاؤس کے سارے اسٹاف اور گیٹ کے سنتریوں کو بلوائے جانے کا حکم دیا اور جب وہ سب اکٹھے ہو گئے تو تم جانتے ہو کہ اس نے ان کا کیا کیا؟ بے حد سنجیدگی سے وہ ان کو کہتا ہے کہ میں خود افضل تر کابو اعظم ہوں اور وہ شخص جس کو اس پہاڑی پر دفن کیا گیا ہے اصلی افضل تر کابو نہیں ہے۔ میں اس کی قبر کھدوا کر اس کو باہر پھنکوا دوں گا اور خود اس کی جگہ لے لوں گا۔ وہ شخص، پشاہ! اس کو وہاں ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اور بعض دفعہ وہ اپنے آپ کو ریل کا انجن تصور کرنے لگتا ہے۔ وِسل بجاتا ہے، کوکتا ہے اور اس بات پر مصر ہوتا ہے کہ اس کے اسٹاف کے ممبر سب ریل کے ڈبے ہیں اور ان کو اپنے پیچھے لگنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ ان کو کھینچ سکے۔ یہ گورنمنٹ ہاؤس کا ایک عام سِین ہے۔"

"یہ تو واقعی افسوسناک ہے،" میں نے کہا۔ "جلد یا بدیر لوگوں کو معلوم ہو جائے گا اور پھر غالباً بڑے کابو کو سَیک کر دیا جائے گا۔"

"سوائے اپنے اسے کوئی اور سیک نہیں کر سکتا،" بھوت نے کہا، "اور وزارت جھوٹ اس کو ایک لمبے عرصے تک ہش اپ کر سکتی ہے۔ اگر معلوم بھی ہو جائے تو بھی اس کی موجودہ دماغی حالت کو ملک کے لیے صحیح الحواسی کا ایک نیا معیار مقرر کیا جا سکتا ہے۔"

یہ ایک اہم خبر تھی اور میں چند دن تک ان نتائج کا انتظار کرتا رہا جو بڑے کابو کی دیوانگی اس ملک کی سیاست پر ڈالے گی۔ مگر، جیسا کہ بھوت نے مجھے یقین دلایا تھا، کچھ بھی نہیں ہوا اور عام

لوگ پہلے کی طرح تاریکی میں رہے۔ اگست میں پارلیمنٹ کے اجلاس شروع ہو گئے جن میں پہلا ایکٹ ہی یہ پاس کیا گیا کہ کھلی ہوا کے عاشق سرکاری طور پر حقوقِ انسانیت سے محروم کر دیے گئے ہیں اور دس لاکھ روبل کی لاگت سے ملک کے عرض وطول میں ایک ری انفورسڈ کنکریٹ کی دیوار کھڑی کی جائے گی جو دیوار چین سے چھ فٹ زیادہ اونچی ہو گی، جس کے اوپر لوہے کی میخیں ٹھونکی جائیں گی۔ سب کھلی ہوا کے عاشق اس دیوار کے دوسری طرف منتقل کر دیے جائیں گے۔ ایک آنریبل ممبر نے اپنی تقریر میں کھلی ہوا کے عاشقوں کو دوستانہ مشورہ دیا (اگرچہ اس نے کہا وہ جانتا ہے کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے) کہ وہ گورنمنٹ کو اس بے فائدہ خرچ سے بچانے کے لیے وسطی جوہڑ میں ڈوب کر سپورٹس مین شپ کا ثبوت دیں گے۔ اڑنگہ بڑنگہ کے ممبر نے کہا، "میں نہیں سمجھتا کہ جب ہمارے مورث درختوں کی ٹہنیوں پر رہ سکتے تھے اور اس طرزِ رہائش کو ظاہراً پُرلطف اور فائدہ مند پا سکتے تھے، تو کھلی ہوا کے عاشق ہماری خوبصورت سڑکوں کو بھرنے کے بجائے رہائش کے اس آرام دہ طریق کو اختیار کیوں نہیں کرتے۔"

"ایس اے ٹائمز میں دوسرے روز ایف ایل پٹاخا کا ایک اور دستخط سے مزّین شدہ ایڈیٹوریل تھا۔

"آج،" فاضلانہ ایڈیٹوریل کے الفاظ تھے، "آخر قومی حکومت نے کھلی ہوا کے عاشقوں کو ان کی دو سو سالہ پرانی تخریبانہ کارروائیوں کے لیے، جن کا مقصد ہماری نوزائیدہ مملکت کی جڑیں کھوکھلی کرنا تھا، شہری اور انسانی حقوق سے محروم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایس اے ٹائمز بڑے عرصے سے — اُس وقت سے جب سے موجودہ ادارت نے اس کو اپنی نگرانی میں لیا ہے — حکومت پر اس قدم کے فوری اختیار کرنے کی مصلحت پر زور دیتا رہا ہے اور اگر شروع میں ہمارے مشورے کو قبول کر لیا جاتا تو وہ اقتصادی اور اخلاقی نقصان جو (ان غدّاروں اور غیر ذمے دار لوگوں کی وجہ سے) ہم کو پہنچ چکا ہے اُسی وقت روکا جا سکتا تھا۔ جہاں ہم حکومت کو اس دانشمندانہ قدم لینے پر (اگرچہ وہ ہمارے نزدیک بہت زیادہ دیر سے لیا گیا ہے) مبارکباد دیتے اور اپنے پورے اشتراک کا یقین دلاتے ہیں، وہاں یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ گورنمنٹ اس فتنے کو مٹانے کے جو طریقے اختیار کرنا چاہتی ہے وہ بلاضرورت بے حد نرم اور غیر موثر ہیں۔ اڑنگہ بڑنگہ کے آنریبل ممبر نے

درختوں میں ان لوگوں کو آباد کرنے کی جو تجویز پیش کی تھی (ہمارا خیال ہے کہ یہ تجویز مذاقاً پیش کی گئی تھی) وہ دراصل ہماری حد درجہ رحم دلی اور رواداری کا ثبوت ہے، ورنہ ہماری قوم کے درخت اس سے بہتر اور نیک تر مقصد کے کام میں لائے جا سکتے ہیں۔ ہم اب بھی حکومت کو بتا دینا اور متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کو اس نرم قدم کے اٹھانے ہی میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اب کوئی آسودہ خاطری کا انداز یا غلط انسانیت کا جذبہ ملک اور قوم کے لیے مہلک ہوگا۔"

ایک اَور زبردست ایڈیٹوریل یہ تھا اور پڑھنے والا اس میں ایف ایل پٹاخا کی بھنچی ہوئی مٹھیاں دیکھ اور اس کے دانت پیسنے کی آواز سن سکتا تھا۔

اس قومی آواز کا اثر خاطر خواہ ہوا اور فوراً اس دیوار پر کام شروع کر دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس پچھلی نصف صدی میں اس سے زیادہ وسیع اور بڑے تعمیری پروجیکٹ کا (مصر کے چوتھے پیرامڈ کے استثنیٰ کے ساتھ) کسی دوسری حکومت نے بیڑا نہیں اٹھایا۔ پانچ ہزار آدمی صرف اس کے شترابا سیکٹر پر کام پر لگائے گئے تھے اور عام ڈیزائن چین کی دیوار کے فوٹوؤں کو سامنے رکھ کر چیف انجنیئر نے خود تیار کیا تھا۔

اپریل جونیئر نے اس پروجیکٹ کے لیے خزانے سے بالکل معمولی رقم دینے کی منظوری دی جو اصل تخمینے کا دسواں حصہ بھی نہ تھی اور باقی رقم کپڑا بازار کے تاجروں سے ڈیفنس لا کے تحت جمع کی گئی۔

میں نے جرمن سائنٹسٹ کے بارے میں زیادہ نہیں بتایا۔

ہوت نے باؤلر ہیٹ پر اس کو کپڑا بازار کے اندر (جو گلیوں اور راستوں اور حجروں کی ایک بھول بھلیاں تھا اور شہد کے چھتے سے زیادہ مختلف نہ تھا) ایک کمرہ لے دیا جہاں وہ ظاہراً ایک کپڑے کے بیوپاری کی حیثیت سے رہنے لگا۔ لیکن اندرونی کمرہ اس کی لیبارٹری کا کام دیتا تھا جہاں فلاسکیں، شیشے کی نلکیاں دوربینیں اور بے شمار پُراسرار چیزیں جو ایک ماڈرن جادوگر کی ایکیپمنٹ ہیں، بھری ہوئی تھیں۔ ہوت ہمیں ہیس کی کارگزاریوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا تھا۔ شاید اسے خود بھی زیادہ معلوم نہ تھا۔ مگر میرا اور بزفر کا قیاس تھا کہ اس نے اپنے اسی ریسرچ کے کام کو جاری کر دیا ہے جو اس نے کاکیشیا کی حکومت کی نگرانی کے تحت کرنے سے انکار کر دیا

تھا ـــ یعنی کہ وہ اس خوفناک نائٹروجن بم کا راز پھر سے معلوم کرنے میں لگا ہوا ہے جس سے ماگلووچ نے روس اور امریکہ کو تباہ کیا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جائے، ہم سوچا کرتے، تو وہ دنیا کا سب سے بڑا خطرناک اور طاقتور آدمی ہو گا۔ وہ ایک آدمی کئی حکومتوں کی ساری فوجی طاقتوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو گا۔ اپنی ریسرچ کے لیے ایک گراں قدر رقم اسے پارٹی فنڈ میں سے دی گئی تھی۔ یہ ظاہر کرتا تھا کہ ہوت اور دوسرے ممبر کم از کم بیس کے ریسرچ کے مقصد سے تھوڑے بہت آگاہ ہیں اور اس بم کی دریافت کو دل سے چاہتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ وہ دراصل اب حکومت کی متواتر پرسکیوشن سے تنگ آ کر نڈھال ہو چکے تھے اور اب جبکہ حکومت نے ان کو انسانیت سے بھی محروم کر دیا تھا (حالاں کہ دستور کے لحاظ سے حکومت کو یہ مطلقاً حق نہیں پہنچتا تھا اور یہ اینٹی کانسٹی ٹیوشن تھا)، وہ ان آدمیوں کی حالت میں تھے جو اپنے اور اپنے دشمنوں (آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں اور کابوؤں) کو ختم اور تہس نہس کرنے کے لیے اپنی زندگیاں دے دینے کو تیار تھے۔

بارھواں باب

جس میں ایک قحط اور ایک دیوار کا ذکر ہے

خریف کی فصلیں ماضنین میں پانی نہ مل سکنے کی وجہ سے مَر اور مرجھا گئی تھیں۔ اس بڑے دریا مختارو کا (جو ماضنین کے ملک میں سے بہتا تھا اور جس پر ملک کے دہقانوں کی فارغ البالی کا انحصار تھا) منبع پہاڑی چوہوں کے ملک میں تھا۔ پہاڑی چوہوں نے شرارت اور کینہ کے جذبات سے متحرک ہو کر منبع کے آگے بہت سی غیر ضروری نہریں نکال کر اس دریا کو تقریباً تہی دامن کر دیا۔

ہوا میں جنگ گونجنے لگی، مگر دیہات میں دہقان بھوکوں مرتے ہوئے، تھکے ماندے، شترابا کی طرف مارچ کرنے لگے۔ غالباً وہ محبت اور عقیدت جو ان کو اپنے حاکموں (بڑے کابو اور چھوٹے کابو) سے تھی اس بات کی متقضی تھی کہ وہ اپنے محبوبوں کی نزدیکی میں مریں، اور اسی لیے انھوں نے یہ کٹھن مسافتیں طے کیں ورنہ ان بھلے مانسوں کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ کابو لوگوں اور آسمان کو چھونے والوں میں رہنے والوں کے پاس کوئی اناج کے ذخیرے نہ تھے اور وہ خود بھی زیادہ تر روٹی کی بجائے کیک کھاتے تھے۔ ان دہقانوں میں سے بہت کم ایس اے ٹائمز پڑھ سکتے تھے، پھر بھی ان کو یہ معلوم تھا کہ دارالسلطنت میں دودھ کی نہریں ہیں۔ اور یہ ایک بڑی امید تھی — وہ دودھ پی کر جی سکتے تھے۔

ایف ایل پٹاخا اب فارم میں تھا۔ وہ پہاڑی چوہوں کے لیڈروں صدر پہارو اور گوٹپو کے خلاف روزانہ دانت پیستا اور ان کے خلاف نئے سوقیانہ القاب اختراع کرتا تھا۔

"صحافت کی بہترین روایات،" ایف ایل پٹاخا اداریے میں شکایت کرتا، "ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ ہم اپنے مخالفوں کی طرح رذالت اور گالی گلوچ پر اتر آئیں اور اُن چیزوں کے ذکر سے اپنے اس عظیم اخبار کے صفحات ملوّث کریں جو ہم گوٹپو اور اس کے چیلوں کی قریب ترین زنانہ رشتہ داروں کے ساتھ کرنے کے اہل ہیں۔ ہماری قوم کی جبلی شائستگیِ اخلاق مانع ہے، اور یہ احساس بھی کہ ایس اے ٹائمز اس ملک میں پبلک مارل کا واحد اور سب سے بڑا محافظ ہے۔

جب سے ہم نے اس آرگن کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے...."

یہ تو اس کے ایڈیٹوریلوں کا شروع شروع کا رنگ تھا مگر بعد میں جب پہلے سیکڑوں اور پھر ہزاروں بھوکے اور فاقہ مست لوگ شترابا میں ہر سمت سے آنے لگے تو وہ ایک تھوڑا سا مختلف سُر الاپنے لگا۔

"...حکومت کو اپنے اضلاع کے ناظموں سے پوچھنا چاہیے کہ آخر ان لوگوں کو اپنے اپنے کھیت اور گھر چھوڑ کر شترابا آنے سے روکا کیوں نہ گیا۔ ہم پہلے ہی یہاں کھلی ہوا کے عاشقوں کی بدولت بے حد ٹھنسے ہوئے ہیں اور سڑکوں پر اژدہام نے ٹریفک کی مشکلات میں معتد بہ اضافہ کر دیا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ان بہت سے نئے آنے والوں کو مطلق روڈ سینس نہیں ہے اور ہم پرسوں شہر کے ایک معزز شہری کے دو بد قسمت اور جاہل نوواردوں کو اپنی موٹر کے نیچے لے آنے کے جرم میں چالان کیے جانے پر پولیس کی اس درازدستی کو ناقابل معافی سمجھتے ہیں اور لا اینڈ آرڈر کے منسٹر کی توجہ اس خاص واقعے کی طرف مبذول کرنے کی جسارت کرتے ہیں جس کی پوری تفصیلات یہ ہیں... (اوپر کے اداریے کا معزز شہری خود ہم ہی تھے، یعنی ایس اے ٹائمز کے ایڈیٹر۔)"

ہوت اور ہم سب نے وہ سب کچھ کیا جو ہماری طاقت میں تھا مگر پرابلم بے حد بڑا تھا۔ میں ان دنوں ہوت کے کام کرنے کی غضب کی قوت کا قائل ہو گیا۔ اس نے اب اپنے آپ کو اپنے پارٹی کے ممبروں پر ظاہر کر دیا اور ہم سب کام کر کے، بھیک مانگ کر، جیبیں کتر کر، روٹیاں خریدتے اور ان بد قسمت آنے والوں میں تقسیم کرتے۔ اس وقت کی دو بڑی بینک ڈکیتیاں، مجھے شک ہے، ہماری پارٹی اور ہوت کی ڈائریکشن کی مرہونِ منت تھیں اور انھوں نے پارٹی کو کچھ امیر کر دیا۔ وہ سارا روپیہ بھی نوواردوں کی خوراک اور کپڑوں پر خرچ کیا گیا۔ مکئی، جو ماضینیوں کی خاص خوراک ہے، دن بدن مہنگی ہو رہی تھی اور مجھے معلوم ہوا کہ چند وزیروں اور سفید پارٹی کے بعض آفس ہولڈروں نے اس کی بزنس میں لاکھوں کمائے۔ اس قسم کا موقع ـــــ ریکارڈ ٹائم میں کروڑپتی بننے کا موقع ـــــ زندگی میں روز روز نہیں آتا۔ میں نے سنا کہ بیشتر پنساری مکئی کے اسٹاکسٹ بن گئے اور یہ اتنا عام ہو گیا کہ لفظ پنساری سے مراد ہی وہ شخص لیا جانے لگا جو مکئی کو اسٹاک کرے۔

والدین کے دوستوں نے ان کو اس بات پر مشورہ دیتے ہوئے کہ ان کے لڑکے کون سا کریئر اختیار کریں، مکئی کے کاروبار کی دوسرے سب کاروبار پر فوقیت ظاہر کی۔

پھر بھی لوگ آ رہے تھے اور مر رہے تھے ــــ بوڑھے، بچے، عورتیں۔ بعض دفعہ بوت بالکل مایوس ہو جاتا۔ "آخر ان لوگوں کو بچانے کی کوشش کرنے کا فائدہ! آخر ان کا مستقبل کیا ہے؟ ان کو مرنے دو۔" اس کے باوجود وہ ہرکولیس کی طرح ان کو بچانے، ان کی زندگی اور ان کی اذیت کو طویل کرنے کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔ ایک عجیب بات بوت میں یہ تھی کہ اس میں خوفناک مرض زدہ جسموں اور کوڑھ اور جذام جیسی تیورا دینے والی انسانی بپتاؤں کا ذرا بھی ڈر نہ تھا۔ اس کے جسم اور دل ان بیبت ناک عارضوں سے پیچھے نہ ہٹتے تھے اور میں نے اس کو کئی بار رستے ہوئے ناسوروں اور مہلک بیماریوں کے ان ڈھانچوں کو اپنے مضبوط بازوؤں اور کندھوں پر اٹھائے ہوئے دیکھا۔

ایک دن ان فاقہ زدوں کا ایک اور ریِچ آیا۔ ان میں شاید ابھی کچھ سکت تھی اور وہ چھوٹے کابو کی رہائش گاہ کی طرف گئے تاکہ اس سے دودھ کی نہر کے محلِ وقوع کی بابت دریافت کریں۔ چھوٹا کابو اس مجمعے کو دروازے کے باہر دیکھ کر مطلقاً بدحواس نہیں ہوا۔ اس کا ضمیر اسی طرح صاف رہا اور اس کا دورانِ خون پہلے کی طرح باقاعدہ۔ ایک طرح اس نے پبلک اسپیچ کرنے کے اس موقعے کو خوش آمدید کہا۔ آج کل اسے اس کے زیادہ موقعے نہیں ملتے تھے اور اس نے نوٹ کیا تھا کہ ایریل جونیئر اور سینیئر کے فوٹو ایس اے ٹائمز میں اس کے فوٹوؤں سے زیادہ مرتبہ دیے جاتے تھے۔ (اس نے اس بارے میں ایف ایل پٹاخا سے دوستانہ شکایت کی تھی اور اس بڑے آدمی نے جواب میں یہ عذر کیا تھا کہ چھوٹا کابو پبلسٹی کے زیادہ مواقع نہیں دیتا۔ مجمعے کو مخاطب کرنے سے پہلے اس نے ٹیلیفون پر ایف ایل پٹاخا کو فون کیا کہ وہ اسے اپنی پبلسٹی کا ایک موقع دینے لگا ہے اور اسے (پٹاخا کو) چاہیے کہ فوراً اپنا نمبر ون اسٹاف رپورٹر اس کی ہونے والی تقریر کو رپورٹ کرنے کے لیے بھیج دے۔

"اور،" اس نے کہا، "میرا وہ پہلا فوٹو نہ دینا جو تم ہمیشہ چھاپنے کے عادی ہو، جس میں مَیں پھولا ہوا بینڈ ٹک لگتا ہوں۔ میں تم کو ایک اَور فوٹو بھیجوں گا جہاں میں کچھ کچھ نپولین کی طرح قسمت کا

فائع لگتا ہوں!" اور وہ تقریر جو اس نے مجمعے کو مخاطب کر کے کی اور جو دوسرے دن بڑے بینر کے عنوان سے ایس اے ٹائمز میں چھپی (مع اس کے فوٹو کے) فی الواقع اس کے سونے کے دل اور نیک ارادوں کو ظاہر کرتی تھی۔ میں ایس اے ٹائمز میں سے اس کے بعض وسیع اقتباسات نقل کرنے کی ترغیب کی مزاحمت نہیں کرتا۔ ایک سچے ڈپلومیٹ اور پبلک لیڈر کی تقریر کا ماڈل ہونے کی وجہ سے یہ لوگوں سے نپٹنے کے آرٹ میں ہر جتدی کے لیے ایک سبق ہے۔

"بھائیو ـــ میں تم کو بھائیو ہی کہوں گا اس لیے کہ جنیٹو کے اصولوں پر قائم کیے ہوئے دستور میں سب انسان برابر ہیں ـــ حکومت کو تمہارے مصائب، تمہاری قربانیوں، تمہاری دل بلا دینے والی مشکلات کا ہر لحظ اور ہر دم احساس ہے..."

"دودھ کی نہر کہاں ہے؟" مجمعے میں سے ایک شخص چلایا۔

"قوم کا ایک ایک فرد تمہارے ساتھ روتا ہے اور تمہارے غم میں شریک ہے،" اس نے روتے ہوئے کہا۔ (یہ کوئی زیادہ مشکل نہیں اور میں نے خود یوکنا پوٹاوابا میں اپنی تقریروں میں دل کھول کر آنسو بہائے ہیں۔) "گوبپو اور اس کے بھیڑیوں نے اس کمینی اور رذیل حرکت سے ماضنین کو بھوکوں مارنے کی جو سازش کی ہے اس کا جواب ہم عنقریب دیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ جنیٹو کے یہ چاہنے والے، اس کے یہ غلام، دشمنوں پر غالب آئیں گے اور ماضنینی جھنڈا ان کے دارالسلطنت شوہوماپا کے ریلوے اسٹیشن پر لہرا رہا ہو گا۔"

"جنگ کرو! چھوٹا کابو زندہ باد!"

اس کے بعد اس نے گوبپو اور اس کے بھیڑیوں کے بُرے ارادوں کے متعلق ایک لمبا پُرجوش خطبہ دیا اور ان کو یقین دلایا کہ آخر میں حق کی باطل پر فتح ہو گی۔

"بھائیو! اس وقت ہم پر بے حد مشکل اور نازک دور آیا ہے۔ ہم ابھی اس سخت صدمے سے، جو ہم کو ساٹھ سال پہلے پہنچا تھا ـــ افضل ترکابو کی وفات ـــ پوری طرح نہیں سنبھلے۔ لیکن ہم اگر جنیٹو نے چاہا تو کامیاب ہوں گے۔ آپ کو اس دیباچے کا حال تو معلوم ہی ہو گا جو بڑے کابو کی تصنیف ہے اور جس میں وہ اصول بتائے گئے ہیں جن پر آئندہ دستورِ سیاسی مرتب ہو گا۔ بھائیو! میرا ذاتی اعتقاد ہے کہ ہم کو اپنی زندگی میں روحانیت اور اعلیٰ اقدار کو زیادہ سے زیادہ لانا

چاہیے۔ آدمی صرف روٹی سے زندہ نہیں رہتا... بلکہ میرا خیال ہے کہ آدمی روٹی سے زندہ ہی نہیں رہتا..." (چیئرز۔)

"کیا آپ لوگوں نے کبھی دیباچے کو نگلنے کی کوشش کی ہے؟ اس کا نگلنا میرے ذاتی مشاہدے کے بموجب بھوک اور دوسری مادّی خواہشات کو ختم کرنے اور دائمی شانتی لانے کے لیے بے حد موثر ثابت ہوا ہے۔ اپنے دلوں کو صاف رکھو، مینیٹو میں یقین رکھو۔ ہم افضل ترکابوا عظم کے اولوالعزم ضیغم ہیں..."

"ضیغم ملت، چھوٹاکابو، زندہ باد!"

"دودھ کی نہر کہاں ہے؟" وہی آدمی چیخا۔

ویسے، مجھے ہوت نے بتایا، یہ ایک ٹِپیکل چھوٹاکابو اسپیچ تھی اور لوگ اس کو سن کر ہمیشہ چپ چاپ چلے آتے تھے اور اپنی روحانیت کی نشوونما اور پال پوس کی طرف لگ جاتے تھے۔

تیرھواں باب

جو ایک شامی تاجر کے متعلق ہے

ایک دن ہوت نے کہا، "مسٹر پوپو، ہم نے تمھارے واپس جانے کے متعلق کبھی بات نہیں کی۔"

میں نے اقرار کیا کہ اگرچہ میں یہاں خوش تھا اور حقیقتاً انسانوں کی خدمت کر رہا تھا، پھر بھی میں واپس اپنے ملک میں جانا چاہتا تھا۔

"میں اسے بدمعاش رومولو سے بچانا چاہتا ہوں جو اسے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے،" میں نے کہا۔

"دیکھو مسٹر پوپو، تم ہوائی جہاز سے نہیں جا سکتے، اور اگرچہ ہانگ کانگ شپنگ کمپنی کے اسٹیمر یہاں آتے ہیں، تم ان میں بھی نہیں جا سکتے۔ ان میں جانے کے لیے تمھیں پاسپورٹ درکار ہو گا اور یوکناپوٹاوابا کا سفیر، اگر تم اس کے پاس گئے، تمھیں فوراً پہچان لے گا۔ وہ تمھیں ضرور پہنچا دے گا مگر اس طریق پر نہیں جس پر تم جانا چاہتے ہو۔

"میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ میرا یہاں ایک دوست ہے، ایک شامی جو یہاں اپنی ڈھو میں آیا ہوا ہے۔ ایک ہفتے تک وہ واپس جا رہا ہے اور وہ مجھے کہتا ہے کہ واپسی پر یوکناپوٹاوابا کی ایک بندرگاہ واپریزو پر ایک دن کے لیے رُکے گا۔ اسے وہاں سے گرم مصالحے کا مال اٹھانا ہے۔ وہ تم کو وہاں اُتارنے کو رضامند ہے۔

میں نے اور سارجنٹ بزفر، نے جو اسی وقت اپنے جادو گرانہ چکروں سے لوٹا تھا، اتفاق کیا کہ اسکیم نہایت اچھی ہے اور بلکہ یہی ایک ممکن صورت ہے۔ مگر ہم نے ہوت سے کہا کہ وہ پہلے شامی کے کیریکٹر اور شہرت کے بارے میں تیقّن کر لے کیوں کہ اگر وہ سمندر کے بیچ میں ہمیں ننگا کرنے پر اتر آیا تو ہم جیسے پُروقار اور ادھیڑ عمر کے شخصوں کے لیے یہ کچھ آکورڈ ہو گا۔

"نہیں،" ہوت نے کہا۔ "میں اس شامی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ اسمگل کیے ہوئے

سونے اور دوسری چھوٹی موٹی باتوں میں میرا زیرِ احسان ہے۔ اس نے در حقیقت کرائے کا بھی ذکر نہیں کیا مگر اس کو دینا بہتر ہو گا۔"

وہ اسی وقت ہمیں شامی کے پاس لے گیا جس کا سیدھی سڑک (یہ سڑک کا نام ہے) پر پہلی منزل پر بالکنی والا چھوٹا سا دفتر تھا اور ہم نے اسے حقیقتاً ایک خوش مذاق اور لائیک ایبل آدمی پایا اور ایک ایماندار تاجر (جیسے ایماندار تاجر عموماً ہوتے ہیں)۔ ہم نے دیکھا کہ اگرچہ وہ سونا سمگل کرتا تھا اور دوسری غیر قانونی کارروائیوں میں حصہ لینے سے نہیں چوکتا تھا، وہ بغیر ایک کوڈ آف آنر کے نہ تھا۔

شامی اتوار کی صبح کو جا رہا تھا اور اس نے ہمیں ہفتے کی شام کو ڈھو کے عرشے پر موجود ہونے کی ہدایت کی۔ اس نے کہا کہ وہ ہمیں شامی لباس مہیا کر دے گا اور یہ کہ ہم کو شامی بن کر سفر کرنا پڑے گا۔

جب ہم اپنی روانگی کے بارے میں یہ سب کچھ طے کر کے لوٹے تو ہم کو واقعی ہوت اور اس ملک کو چھوڑنے میں سخت رنج اور درد ہو رہا تھا، لیکن یو کنا پوٹاوابا میں کام ہمارا منتظر تھا۔ مجھے بھروسا تھا کہ میں واپس جا کر پھر سے سوشلسٹ پارٹی کو منظم کر کے ملک کو بدمعاش رومولو اور فاشنزم سے نجات دلادوں گا۔

جہاں تک اس ماضنین کے ملک کا سوال تھا، میرا یقین تھا کہ ان لوگوں کی نجات دور ہے۔ ان کی کوئی جمہوری روایات نہ تھیں، جہالت بڑھ رہی تھی اور بینیٹو کے ہوّے نے ان میں خوشی اور سچی مسکراہٹ کو کچل دیا تھا۔ ایک زرد رُو اور آسیب زدہ، بلکہ کِرم زدہ، قوم سے کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ یہ سچ ہے کہ یہاں ہوت جیسے آدمی تھے جس سے سچے طور پر بڑا آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا، مگر ہوت اکیلا تھا۔ اس کی پارٹی کے ممبر اس کے بغیر ایک بے پتوار کشتی کی طرح تھے۔ ایف ایل پٹاخا نے لوگوں کو مسحور کر رکھا تھا۔

بڑی دیوار ("دیوارِ ماضنین" اس کا نام تھا) کے کئی حصے مکمل ہو گئے تھے اور کھلی ہوا کے عاشق اور "فاقہ زدہ علاقوں کے بھگوڑے" اس کے پیچھے پہنچائے جانے لگے۔ یہ ایس اے ٹائمز تھا جس نے تجویز کی تھی کہ کھلی ہوا کے عاشقوں اور فاقہ زدہ علاقوں کے بھگوڑوں میں تمیز نہ کی جائے۔

اس بڑی دیوار کے پیچھے جو پہنچتے ان کی خبر نہ آتی اور ان تک پہنچنا مشکل تھا کیوں کہ دیوار بے حد اونچی تھی۔

"مگر،" بوت نے کہا، "مسٹر پوپو! یہ میں تمھیں بتا دوں، وہ ہم سب کو اس کے پیچھے نہیں بھیج سکتے۔ ہم میں سے ہزاروں پھر بھی دیوار کے اس طرف رہیں گے، کیوں کہ اس طرف امید ہے جو دوسری طرف نہیں۔ دیوار کے دوسری طرف جانے سے پہلے ہم ان کو مٹی کی ڈھیری بنا کر جائیں گے۔ کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ اتنی ریاکاری اور خودفریبی اور خود پرستی اور حماقت اور بے رحمی ختم کر دی جائے؟"

میں پوچھنے لگا تھا کہ تم اس کو کیسے کرو گے، اور پھر میں نے بیس کا سوچا... وہ جرمن سائنٹسٹ جو نرم طبیعت، بے ضرر اور محنتی طالبِ علم نظر آتا تھا مگر جس کی آنکھیں اس کی سلگتی ہوئی آگ کے راز کو افشا کرتی تھیں۔ میں نے سوچا بیس اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہو گا۔ میں کانپا۔

چودھواں باب

جو آخری ہے، زیادہ تر جہازوں اور نیلے پانیوں کے بارے میں

سنیچر کی شام کو ہم ٹِپیکل شامی تاجر بنے اور طربوش پہنے احمد بن یوسف کی ڈھو کی پوپ پر بیٹھے تھے۔ ہوت اور اس کے چند دوست اور پارٹی ممبر ہم کو چھوڑنے کے لیے آئے۔ پانی کے سفر پر جاتے ہوے (میری راے میں) اپنے دوستوں سے مفارقت اور دوری کا احساس جہاز اور راکٹ کے سفر سے کہیں زیادہ گھرا ہوتا ہے۔ کچھ اس قسم کا احساس ہوتا ہے جیسے تم اپنے اور اپنے دوستوں کے درمیان پانیوں کے ٹن کے ٹن حائل کرنے لگے ہو؛ تم اس میں آخری مراجعت کی گونج سنتے ہو جو ہم سب کو درپیش ہے۔

احمد بن یوسف (ہمارے شامی دوست) کی ڈھو لمبائی میں دو سو فٹ اور عرض میں چالیس فٹ تھی۔ پوپ کے نیچے ایک طرح کا نیچا کیبن تھا اور اس کے اوپر ڈھو کے جہازرانی کے آلات تھے جو قدیم عمر سے چلے آتے ہیں۔ کپستان، پتیل کے ایک پوسٹ بکس سے میں، جس کے اوپر شیشے کا ایک نصف کرہ تھا، ایک مقناطیسی قطب نما، ایک موسم دیکھنے کا بیرومیٹر وغیرہ۔ پتوار کا پہیا چمکتے پیتل کا تھا اور دستے بہتر گرفت کے لیے سیاہ چکنی لکڑی کے۔ باورچی خانہ ڈھو کے وسط میں تھا۔ ایک لکڑی کا بنا ہوا مرغیوں کا ڈربا سا جس کے اوپر ایک ٹین کی چمنی میں سے اب ہلکا خوابیدہ دھواں اٹھ رہا تھا۔

جہاز کے ملّاح تین مضبوط عرب تھے۔ باورچی وغیرہ ایک پندرہ سالہ لڑکا، ایک یونانی باپ اور شامی ماں کی اولاد تھا۔ بڑھئی اسلامستانی تھا اور اس کی قومیت اس کی خوداعتمادی اور مغرور انداز سے مترشح تھی۔ میں نے اسے پہلی ہی نظر میں پسند کیا کیوں کہ میرے دل میں اس دنیا کے سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ جمہور پسند ملک کے لیے بے حد عزت ہے اور میں اس خوش قسمت ملک کے باشندوں پر رشک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہم ظاہراً کھالوں اور بنولوں اور سیپیوں کا کارگو لے جا رہے تھے، مگر یہ پوری کہانی نہیں اور

میں پڑھنے والوں کو اس قسم کی وجہ سے جو میں نے حسن بن یوسف کو دی، زیادہ بتانے سے قاصر ہوں۔ ہوت اور اس کی پارٹی ہمارے ساتھ آدھی رات تک بیٹھی رہی۔ ہوت اپنا آرفیئس بجاتا اور جذباتی گانے گاتا رہا جن میں سے ایک میں اس نے اپنے آپ کو ایک محزوں شیخ تصوّر کیا اور مجھ کو اور بزفر کو اپنا حرم جو اپنے میکے جا رہا ہو۔ کیسی رات وہ تھی! سنگ مرمر کی طرح ٹھنڈی، اور چاند پُرسکوں پانی کے ٹاپو اور اس میں لنگرانداز اسٹیمروں پر اپنی ساحری کرتا ہوا اور ڈھو کے پیتل کو سونے کی طرح چمکاتا ہوا۔ ہوت نے گایا اور اس کے ساتھیوں نے گایا اور سارجنٹ بزفر ناچا مگر اس تمام خوشی کی تہہ میں ایک گہری غمی تھی۔

آدھی رات کے وقت انھوں نے ہمیں الوداع کہا اور بغیر پیچھے دیکھے وہ چل دیے۔ مگر چالیس گز کے فاصلے پر ہوت نے مڑ کر مجھے ہیلو کیا۔

"مسٹر پوپو، گڈلک! ہم دونوں کو لڑتے رہنا چاہیے۔ اپنی جگہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دیوار کے اِسی طرف رہوں گا اور ان کو مجھے دوسری طرف پہنچانے میں کامیاب نہ ہونے دوں گا۔ اور مجھے خط ضرور لکھنا... ایر میل... اس پتے پر: ایچ ایم گلاب، شومیکر، شترابا۔"

"ہاں، "میں چلّایا، "اور میں تم کو اپنا پتا وہاں سے بھیجوں گا۔"

سورج کے نکلنے سے پہلے ہم روانہ ہو گئے اور جب سورج نکلا ہم کھلے نیلے سمندر پر اچھل رہے تھے۔ شترابا دور ایک گلابی مبہم سا خواب تھا۔ میں اس سفر کی تفصیلات نہ دوں گا جس پر بذاتِ خود الگ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے دن نیلی بھرکابٹیں تھے اور شامیں آتشیں شفقیں، اور دو تین دفعہ ہم بحیرۂ اطلانتس کے بحری قزاقوں سے بال بال بچے۔ بیسویں دن ہم بحرالکاہل میں تاہیتی کی بندرگاہ پپیت پر پہنچے جہاں ٹاپو کا پانی اتنا شفاف اور شیشے جیسا تھا کہ نیچے تہہ تک پڑی ہوئی سب خوبصورت اور رنگارنگ چیزیں نظر آتی تھیں۔ یہاں پانی میں مونگے کا باغ کھلا تھا (اور مونگا اپنی ہزاروں حسین شکلوں میں) جس کے بیچ میں چھوٹی، ناممکن رنگوں کی مچھلیاں علیحدہ علیحدہ اور جماعتوں میں تیر رہی تھیں۔ پپیت میں ہم چند دن ٹھہرے۔ سارجنٹ بزفر شہر کے باہر ایک غار میں چلا گیا اور ایک تاہیتین لڑکی "عجیب افسانہ گو" سے شادی کر کے رہنے لگا۔ (کم از کم سارجنٹ یہی کہتا ہے۔) وہاں سے حسن بن یوسف نے کاپرا لادا اور ہم چل پڑے۔

۱۹ دسمبر ۲۰۱۱ کو ہمیں یوکناپوٹاوابا کی ساحلی پہاڑیاں نظر آنے لگیں اور واپریزو کا لائٹ ہاؤس، جو تاریکی میں ہمیں آنکھیں مارتا ہوا خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

حسن بن یوسف نے ہمیں واپریزو سے اُرے ایک ٹاپو کے کنارے اتارا جہاں اس سے ہماری الوداع مختصر تھی کیوں کہ بحری پولیس کی گشتی لانچ اکثر اسمگلروں کی تاڑ میں ان پانیوں میں گشت کرنے کی عادی تھی۔

یوکناپوٹاوابا کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد ہم کو کیا کیا محیّرالعقول واقعات پیش آئے، کس طرح ہم نے اپنے آپ کو پانچ مہینے روپوش رکھا، کیسے پارٹی کے ممبروں کو کنٹیکٹ کیا اور پھر دوبارہ ریوولیوشن کو منظم کیا اور کیسے آخرکار رومولو گورنمنٹ کو اوورتھرو کیا ـــــ یہ سب کچھ میں نے اپنی کتاب "حق کی فتح" میں مفصل طور سے لکھ دیا ہے، جس کا ٹائیٹل میں نے (کیا یہ ستم ظریفی نہیں!) ایف ایل پٹاخا کے ایک اداریے سے لیا ہے۔ سیاست کے اور سچی لیڈرشپ کے طالبِ علموں کے لیے (میری رائے میں) اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے اور، جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہی ایک کتاب ہے جس میں کامیاب کودیتا کرنے کے جدید طریقوں پر مکمل بحث کی گئی ہے۔

ان سطور کے لکھتے وقت میں یوکناپوٹاوابا کا صدر ہوں۔ سارجنٹ بزفراب فیلڈ مارشل ہے اور یوکناپوٹاوابا کی بری، بحری اور فضائی افواج کا کمانڈر ان چیف (فوج میں بہت تھوڑے آدمیوں نے چھ ماہ کے قلیل عرصے میں اتنی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔)

اور میرا دوست رومولو! رومولو اسٹیٹ عجائب گھر میں شوکیس میں ہے۔ میں نے اس کی لاش کو حنوط کرا کے ایک باقاعدہ فوجی ممی کا رتبہ دے دیا ہے اور مہینے میں ایک دو بار شام کو دل بہلانے کے لیے اس کو دیکھنے جاتا ہوں۔

پریذیڈنٹ ہاؤس۔
چفتی۔ یوکناپوٹاوابا
۲۰ دسمبر ۲۰۲۲ء

ضمیمہ

ماضنین کے متعلق جغرافیائی اور دوسری معلومات

حدود اربعہ

ماضنین کا کل رقبہ ایک ہزار دو سو ساڑھے پچاسی مربع میل ہے جو اس کے ہمسایہ ملک کے باشندوں (پہاڑی چوہوں) کے صلح یا جنگ کے موڈ پر بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ کل آبادی ۲۰۲۰ء کی مردم شماری کے اعداد کے مطابق دو لاکھ ہے۔ اس میں کھلی ہوا کے عاشق (یعنی "کھکع") شامل نہیں ہیں جن کی تعداد اندازاً دس کروڑ ہے۔ یہ کھکع اب بہت حد تک اس دیوار کے پرلی طرف پہنچا دیے گئے ہیں جس کا ذکر مسٹر پوپو کی رپورٹ میں ہے۔ ماضنین کا دارالسلطنت شترابا ہے اور یہی بڑا شہر بھی ہے۔ باقی شہر محض تکلفاً شہر کہے جاتے رہے ہیں۔ ان میں اڑنگہ بڑنگہ اپنی یونیورسٹی اور اڑنگہ بڑنگیوں کے لیے ممتاز ہے۔

صنعت و حرفت

نامحرم پیپے بنانے کے کارخانے ملک کے طول و عرض میں قائم ہیں اور ان میں یہاں کے مینوفیکچرر طرح طرح کی جدتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہر سال نئے نئے ماڈل منظرِ عام پر آتے ہیں۔ ۲۰۲۱ء کے ماڈل میں، جو بخشو اینڈ کمپنی کی مشہور فرم نے مارکیٹ میں بھیجا ہے، پیپے کے ڈیزائن میں چند وقیع اور انقلابی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور یہ اسی کمپنی کے ۲۰۲۰ء کے ماڈل پر ایک بڑی اصلاح ہے۔ اس میں پہلے ماڈلوں کی طرح کیاسک کی چوکور ستون کی شکل نہیں ہے بلکہ اسے اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ جنسِ مخالف کے جسم کے خم اور ساخت کے ساتھ مطابقت کرے۔ پہلے ماڈلوں میں ہیڈ لیپ اوپر تھا۔ اس میں اسے وسط میں لگایا گیا ہے۔ جدید ٹریفک کے قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے اطراف پر جنسِ مخالف کی چھاتیوں کے بالمقابل دو سرخ بلب مہیا کیے گئے ہیں۔ اس پیپے کے اوپر اب ایک سوراخ سا رکھ دیا گیا ہے جس میں سجاوٹ اور میک اپ کے لیے جنسِ

مخالف کے ملفوف نمائندے کلغیاں یا پھول پتّے وغیرہ اٹکا سکتے ہیں۔ نئے ماڈل میں بیک چلنے کا بھی انتظام ہے۔

باقی سب مشینیں، مثلاً بجلی کی موٹریں، آٹا پیسنے کی چکیاں، ڈیزل انجن وغیرہ، اور سنڈری سامان، مثلاً کنگھیاں، بلیڈ، صابن اور عام استعمال کی بیشتر اشیا، سرخ چین یا اسلامستان سے درآمد کی جاتی ہیں۔ مشینوں کو چینی یا اسلامستانی انجنیئر خود ہی آ کر فٹ کرتے ہیں۔ شترابا کا پاور اسٹیشن چار سو پچاس کلوواٹ بجلی پیدا کرتا ہے اور شہر کے ایک تہائی حصے کو باری باری روشنی دینے کا اہل ہے۔ شہر کا دو تہائی حصہ ہر روز رات کو تاریکی میں رہتا ہے۔

زبان اور رسم الخط

ماضنین کی سرکاری زبان شکسپیرین انگریزی ہے جس میں قدیم سنسکرت کے الفاظ بکثرت ملے ہوئے ہیں۔ (یہ شخص شیکسپیر غالباً پہلے طوفان یا طوفانِ نوح کے وقت میں درختوں کے پتّوں پر اپنے ڈرامے لکھا کرتا تھا اور بے چارا حضرت نوح کی کشتی پر بروقت نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے ڈوب مرا تھا۔) تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تقریباً یہی زبان یوکنا پوٹاوابا کی سرکاری زبان ہے۔ مجھے مسٹر پوپو کی کتاب کا ترجمہ کرنے میں بے حد دقّت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اسے ان دونوں تقریباً فراموش شدہ زبانوں پر مکمل عبور حاصل ہو اور ایک آدمی کے لیے اتنی مختصر زندگی میں ان دونوں کو نہ صرف سیکھنا بلکہ اچھی خاصی قابلیت پیدا کر لینا ناممکن ہے۔ اگر مجھ کو سوامی پرمانند جی مہاراج کا (جو سنسکرت زبان کے وِدوان ہیں اور اس میں طوطے کی طرح فرفر باتیں کرتے ہیں) تعاون حاصل نہ ہوتا تو میں شاید اس ترجمے کو مایوس ہو کر بیچ ہی میں چھوڑ دیتا۔ موصوف نے اپنا قیمتی وقت دے کر میرے ساتھ، اور میری، جو مغز پاشی کی ہے وہ ان کے خلوص اور کوڑھ دماغی پر دال ہے۔ میں ماضنینی تحریری زبان کی چند مثالیں دوں گا جس سے پڑھنے والوں کو زبان کے اسٹرکچر کے علاوہ اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میرا کام کتنا مشکل اور تحقیق طلب ہو گا۔ (اس ترجمے کے بعد بہت زیادہ دماغی کام کرنے کی وجہ سے یہ مترجم اتنا نحیف و نزار ہو گیا تھا کہ احباب کو جاں بحق تسلیم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ (جاں بحق کا اطلاق مترجم پر ہے، احباب پر

نہیں)۔

اردو کا ایک فقرہ لو: "تم نے میری ہتک کی ہے۔" ماضنینی میں یہ اس طرح پڑھا جائے گا: "وایو ہیسٹ ڈن اپمان ودوی۔" اس میں وایو، ہیسٹ، ودھ، می، سب انگریزی کے الفاظ ہیں، اپمان سنسکرت ہے۔ اردو میں ایک اور جملہ لو: "مگر تم نے میری روح کو تکلیف پہنچائی ہے۔" ماضنینی میں یہ مفہوم اس طرح سے ادا ہوگا: "پرنتو وایو ہیسٹ بھر شٹڈ مائی بدھی۔" پرنتو اور بدھی تو خالص سنسکرتی الفاظ ہیں۔ بھرشٹ بھی سنسکرت ہے مگر اس سے ماضی قریب "بھرشٹڈ" انگریزی گرامر کے قاعدے سے بنایا گیا ہے۔

میں نے ماضنینی الفاظ اور جملوں کو اردو کے قالب میں ڈھالتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ اردو کا ہم معنی لفظ پڑھنے والے کو اپنے ماحول میں اجنبی سا نہ معلوم ہو۔ جیسے ایک ماضنینی لقب ہے، "لیولائن پردیش" اس کے لفظی معنی ہیں "ملک کا شیر" مگر سیاسی خطابوں میں، جو ہم لیڈروں کو دیتے ہیں، ہم ملک کا شیر شاذونادر ہی کہتے ہیں۔ ہم یا تو "شیرِ ملت" کہتے ہیں یا "ضیغمِ ملت"۔ میں نے "ضیغمِ ملت" چنا ہے۔ اسی طرح میں اور لاتعداد مثالیں دے سکتا ہوں۔ افضل ترکا بو ماضنینی "کابو دولمپنت ٹرانسینڈنگ" کا ترجمہ ہے۔ گھوڑا گاڑی ماضنینی زبان میں "بارس رتھ" ہے اور دو ٹنگی "ٹولیگر" کا ترجمہ ہے۔ بعض الفاظ مثلاً شدھ، برہمچاری جن کے موزوں ہم معنی الفاظ اردو میں نہیں ہیں اور جو اردو میں بھی کسی حد تک مستعمل ہیں جُوں کے تُوں رہنے دیے گئے ہیں۔ رسم الخط کا مسئلہ اور زیادہ پریشان کن اور بوکھلا دینے والا ہے اور ایک ہی فقرے میں، بلکہ ایک ہی لفظ میں، بعض حروف رومن رسم الخط میں ہوں گے اور بعض سنسکرتی رسم الخط میں۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ گرامر ہر شخص کے اپنے مذاق کا معاملہ ہے اور وہ اپنی گرامر خود بناتا چلا جاتا ہے۔ اندریں حالات جن اصحاب کو چینی، زولوی یا بھیلی گونڈی زبان سے ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ میری تکالیف کو کسی حد تک سمجھ سکیں گے۔ گو سرکاری زبان اینگلو سنسکرتی رسم الخط میں لکھی ہوئی ماضنینی ہے، اردو زبان بھی عموماً متوسط حال ترطبقے میں سمجھی جاتی ہے۔ یہ اتنی حیرانی کی بات نہیں۔ اردو کو دراصل ایک ایسا بین الاقوامی سا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے جو پچھلی جنگ سے پہلے مہذب دنیا میں انگریزی کو حاصل تھا۔ ریاست ہائے متحدہ افریقہ نے حال ہی میں زولو کی بجائے اردو کو اپنی

سرکاری زبان بنا لیا ہے۔ ہاں اسلامستان میں، جو اس کا گھوارہ ہے، اب زیادہ زور چند سیاسی وجوہات کی بنا پر فارسی پر ہو رہا ہے اگرچہ اس کے ایک صوبے پاکستان میں اب بھی غالب اکثریت اردو پڑھتی اور سمجھتی ہے۔

محلِ وقوع:

ماضنین کے شمال میں بحرِ اطلانتس ہے۔ جنوب میں بحرِ اطلانتس ہے۔ مشرق میں پھر بحرِ اطلانتس ہے۔ ہاں البتہ مغرب میں... نہیں، مغرب میں بھی بحرِ اطلانتس ہی ہے۔ مقامی اسکول کے پرائمری کے جغرافیے میں ماضنین کو جزیرہ بتایا گیا ہے مگر جزیرے کی تعریف، جہاں تک مجھے یاد ہے، یہ ہے: "جزیرہ پانی کا وہ قطعہ ہے جو چاروں طرف سے خشکی سے گھرا ہوا ہو۔"

پریس:

ماضنین میں صرف ایک اخبار نکلتا ہے: "شترا باٹائمز" یا ایس اے ٹائمز۔ اس کی ترتیب اور پالیسی کے بارے میں مسٹر پوپو نے اپنی رپورٹ میں سیر حاصل بحث کی ہے بلکہ اس کی سیر حاصل خبر لی ہے اور اس کی دی ہوئی معلومات پر کچھ زیادہ نہیں استیزاد کیا جا سکتا۔ ماضنین میں دوسرا کوئی شخص روزانہ اخبار نکال سکنے کا مجاز نہیں، کیوں کہ ایف ایل پٹاخا بے حد بارسوخ شخص ہے اور حکومت کے چیف ناصح کے عہدے میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ماضنین میں وہی ایک شخص ہے جس کے پاس ٹیلی پرنٹر ہے، جو کہ اس کے کہنے کے مطابق اس کی اپنی خرید ہے۔ وہ ایس اے ٹائمز کا زندگی بھر کے لیے ایڈیٹر ہے اور اخبار کے متولیوں کے ساتھ، جن میں وہ خود بھی ایک ہے، اس کا پانچ روبل کے اسٹیمپ لگے ہوئے کاغذ پر ایک معاہدہ ہے جس کی رُو سے اس کی موت کے بعد (اگرچہ یہ اس کے نزدیک قرینِ قیاس نہیں) اسی کو ایڈیٹر رہنے دیا جائے گا۔ معمولی سے معمولی مطلب کو ایک بے حد پیچیدہ اور الجھے ہوئے طریقے سے ادا کرنا (جیسے ماضنینی زبان پہلے کم پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہو!) اس کا طرّۂ امتیاز ہے اور بائیں ہاتھ کا کھیل، اور ماضنینی اس کو شکسپیرِ ثانی اور اپنی زبان کا عالمِ متبحّر گردانتے ہیں۔ وہ ماضنین کے چھ ایسے آدمیوں

میں سے ہے جو صحیح ماضنینی لکھ سکتے ہیں اور جن کو زبان کی گرامر کے لیے قاعدے بنانے کا حق (زیرِ دفعہ ۸۵) حاصل ہے۔ ایف ایل پشاخا ازٹگہ برٹگہ یونیورسٹی کا "فاضلِ اجل" ہے جو پی ایچ ڈی کی ٹکر کی ڈگری ہے۔ وہ "منشیِ ملک" بھی ہے۔ یہ اعزاز اس کے اخبار کے اسٹاف نے خود پشاخا کی اپنی اسی مقصد کے لیے کنویِن کی ہوئی حال کی ایک میٹنگ میں اس کو نذر کیا ہے۔

اقتصادیات، معاشیات، ادبیات اور سب دوسرے بہت سے آلات کا یہ ماہر، سب سے زیادہ اپنی ہمہ دانی پر حیرت زدہ ہے اور جب اگلے دن اس سے پوچھا گیا کہ "ماضنین کا پہلا شہری کون ہے ـــ بڑا کا بو، چھوٹا کا بو یا پریمیسَر بوشا؟" تو اس کا جواب تھا: "ایف ایل پی۔"

مسٹر پوپو کی دوسری تصانیف

"موچی سے پریزیڈنٹ"

از ہزایکسی لنسی رائٹ آنریبل مسٹر پوپو پالنہار چوکامانیفو، ڈی لٹ (شترابا)

یہ کتاب صرف مسٹر پولو کی اپنی زندگی کی ہی کہانی نہیں ہے بلکہ یوکناپوٹاوابا کی پچھلے چالیس سال کی ایک سیاسی اور تمدّنی تاریخ بھی ہے۔ یوکناپوٹاوابیوں کے لیے تو یہ کتاب گویا ایک سیاسی بائبل کا درجہ رکھتی ہے اور وہاں ہر شخص کے لیے شادی سے پہلے اس کا پڑھنا قانوناً لازمی قرار دیا جا چکا ہے۔ سیاست، ادب اور جنس کے طالبِ علم کے لیے یہ کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے اور وہ لوگ جو ترقی کر کے پریزیڈنٹ بننے کے مشتاق ہیں (مسٹر پوپو کی وفات کے بعد) اس میں سات ایسے مفید گُر پائیں گے جن پر عمل کرنے سے وہ قلیل عرصے میں یہ اعزاز حاصل کر سکیں گے۔

"وہ نابکار رومولو، عرف حق کی فتح"

۳۰۰ صفحات، مجلد، باتصویر (تصویر مصنّف کی ہے۔)

چند پریس کی رائیں:

"رومولو کی بےوفائی کا حال مسٹر پوپو کی زبانی پڑھ کر کلیجہ دہل جاتا ہے... ہر ایک صفحے پر مسٹر پوپو کے طرزِ تحریر کی مستند چھاپ ہے۔ فیلڈمارشل بزفر کا دیباچہ، اگرچہ اس کا اصل کتاب سے کوئی تعلق نہیں، بےحد دلچسپ ہے اور عشق جیسے روحانی امراض کی نوعیت اور علاج پر ایک سنجیدہ نفسیاتی اور طبّی مقالہ ہے... کتاب صرف دیباچے کے لیے ہی خریدنے کے لائق ہے۔ مسٹر پوپو کی کتاب کے آخری دو ابواب میں لاشوں کو حنوط کرنے کے فن پر (جس میں قدیم مصری فرعونوں کے سرکاری کیمسٹوں اور بالشویک روس کے حکمرانوں نے بےحد تحقیق کی تھی) چند جدید ترین دریافتوں کا اضافہ کیا گیا ہے اور حنوطی خضاب کا نسخہ صنین کے ایک ہیر آئل کے موجد سے نقل

کیا گیا ہے، جس نے (موجد کے مطابق) اس کو خود ہز میجسٹی توتنخ آمون کی پہلی بیوی (بہن) کی پرائیویٹ ڈائری سے حاصل کیا ہے۔ مسٹر پوپو کی فراخ دلی اور فیاضی کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ کتاب کا انتساب بے حد رقّت انگیز الفاظ میں روملو مرحوم کی ممی کو کیا گیا ہے۔" ("یوکناپوٹاوابا ڈائجسٹ"۔)

"فیلڈمارشل (چند ماہ پہلے سارجنٹ) بزفر کا دیباچہ کتاب کا بیشتر حصّہ ہے اور ہماری رائے میں اگر اصل کتاب دیباچہ ہوتی اور دیباچہ اصل کتاب ہوتا اور کتاب کا ٹائیٹل "بزفر کی بزفریاں" ہوتا تو زیادہ موزوں ہوتا... مسٹر پوپو ایک عالی قدر ادبی فنکار ہے اور آخری باب میں مرحوم روملو کی لاش کو حنوط کرانے کے بیان کو جس بے حد ادبی نزاکت اور لطافت سے نبھایا گیا ہے وہ داد طلب ہے۔ حنوط کرنے اور حنوط ہونے والے اصحاب کے لیے نادر تحفہ... وہ باب جس میں زندہ جنگلی چوہے پارلیمنٹ میں چپکے سے روملو گورنمنٹ کو کھانے کے لیے چھوڑے جاتے ہیں، قرونِ وسطیٰ کے ایک امریکن مصنّف ایڈگر ایلن پو کی کسی کہانی سے نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس صدی کی بہترین سائنٹیفک کتاب..." ("چقتی میل"۔)

"ساٹھ سال سے اوپر کے لوگوں کی جنسی مشکلات پر سارجنٹ بزفر کا دیباچہ حرفِ آخر ہے جو دیباچہ نگار کی اس لائن میں سالہاسال کی تفتیش اور تجربات کا نچوڑ ہے... دیباچے کے بعد ہم نے کتاب نہیں پڑھی۔" ("پنشنرز میگزین"۔)

محمد خالد اختر

بیس سو گیارہ

"بیس سو گیارہ" ممتاز ادیب محمد خالد اختر کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ ناول پہلی بار ستمبر 1950 میں لاہور سے مکتبۂ جدید کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا لیکن اب بہت عرصے سے نایاب تھا۔ اردو کے ممتاز طنز و مزاح نگار کنہیا لال کپور نے اسے اردو کا پہلا معاشرتی اور سیاسی طنزیہ ناول قرار دیا اور اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش وہ اس کے مصنف ہوتے۔

محمد خالد اختر ۱۹۲۰ میں ریاست بہاول پور کی تحصیل الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ فکشن، مزاح، پیروڈی، تنقید اور سفرنامے کے میدانوں میں ان کی تحریریں کئی دہائیوں سے شائع ہو رہی ہیں۔ محمد خالد اختر کی دیگر کتابوں میں "چاکی واڑا میں وصال" (۱۹۶۴)، "کھویا ہوا افق" (۱۹۶۸)، "دو سفر" (۱۹۸۴)، "چچا عبدالباقی" (۱۹۸۵)، "مکاتیب خضر" (۱۹۸۹)، "یاترا" (۱۹۹۰) اور "ابن جبیر کا سفر" (۱۹۹۴) شامل ہیں۔ ان کی کہانیوں کا مجموعہ "لالٹین اور دوسری کہانیاں" ۱۹۹۷ میں کتب خانہ سیریز میں شائع ہوا۔ ان کی دیگر تحریروں کے مجموعے بھی اسی سیریز میں جلد شائع کیے جائیں گے۔

محمد خالد اختر ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد سے مستقلاً کراچی میں مقیم ہیں جو ان کے تحریر کردہ فکشن کے ایک بڑے حصے کا محلِ وقوع بھی ہے۔

Cover painting: Ali Raza

ISBN 969-8379-08-8
Rs. 70